سیرت و مناقبِ امام حسین علیہ السلام

تالیف:

السید محمد رضا الحسینی الجلالی

مترجم:

شیخ سردار حسین سکندری

شیخ محمد حسین مطہری

نام کتاب:		سیر تو مناقبِ اما محسینعلیہا لسلام

تالیف:	السید محمد رضا الحسینی الجلالی

مترجم:	شیخ سردار حسین سکندری،

شیخ محمد حسین مطہری

تعداد:		2000

سن اشاعت: مارچ ۲۰۱۸ء جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

ناشر:		العتبۃ الحسینہ المقدسۃ

فہرست

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مختصر تعارف ....7...............

کنیت: ....8....................................

القابات ....9...................................

والد گرامی: ....9..............................

والدہ محترمہ ....9..............................

ولادت ....11.................................

شہادت ....12.................................

جائے شہادت ....12..........................

مدت عمر ....12...............................

مدت امامت ....12............................

شکل وشمائل ....13............................

اخلاق حسنہ ....14.............................

طہارت الٰہیہ ....15..........................

دوسری حدیث: ....16.......................

غیبی طاقت ....17.............................

خضاب لگانا ....18..................................
تواضع اور کرم ....18...............................
ادوار حیات ....20......................................
ا۔ نقل وروایت احادیث ....21......................
۲۔ بیعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ....23..................
۳۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار محبت ....24.....
دوسرا واقعہ ....25..................................
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین ....27...........
مشہور حدیث ....30................................
حسین کا گریہ ....32................................
بغض ومحبت ....33.................................
امن وجنگ ....38..................................
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ....38...................
فضل ....40.......................................
قیادت ....42......................................
برکات اور معجزات ....43.........................
کربلاء میں امام حسین علیہ السلام کی سیرت ....56...............
نہضت کربلا کے اوائل ....57........................

راستے کی مشکلات ورکاوٹیں ....60..................

ابن عباس: ....68...............................

ابن زبیر: ....70................................

ابن عمر: ....72...................................

اخبار عینی ....80...............................

حدیث کربلا: کربلا کے غم اور خاک ....87............

انس کی حدیث: ....89..........................

اصحاب باوفا یا باوفا اصحاب امام حسین علیہ السلام ....92.......

عاشوراء کی عظمت ....101.........................

سر بریدہ لاشے ....114............................

کربلاء کے بعد کے حوادث ....118...................

متأخرین کی آراء و مواقف ....119...................

غمگین خواب ....123............................

مرثیے و نوحہ خوانی ....129.......................

اختتامیہ ....132..................................

حضرت امام حسین علیہ السلام کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی حسین ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

لما ولد الحسن سماہ ((حمزة) فلماوُلدالحسینسماھبعمه (جعفر)

قال علی: فدعانی رسول اللهصلیاللهعلیهوآلهوسلمفقال:

((إنیأُمرتُ أن أُغیّر اسم ابنیّ هذین))

فقلت: اللهورسولهأعلم

فسماهما ((حسناً)) و ((حسیناً

آپ فرماتے ہیں کہ جب حسن کی ولادت ہوئی توان کا نام حمزہ رکھا گیااور جب حسین کی ولادت ہوئی تواپنے چچا کے نام پر ان کا نام جعفر رکھا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھے اپنے ان دونوں بیٹوں کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیااس پر میں نے کہااللہ اوراس کے رسول بہتر جانتے ہیں چنانچہ اس طرح انہوں نے ان دونوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے یہ چاہا تھا کہ ان کے بیٹوں کے نام کے ساتھ چچا حمزہ اور بھائی جعفر کا نام زندہ رہے لیکن وحی الٰہی نے ان دونوں کے لیے دو اور ناموں کا انتخاب کیااور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نئے نام رکھنے کا حکم دیااور وہ آسمانی نام حسن و حسین تھے جو اہل جنت کے ناموں میں سے ہیں اور زمانہ جاہلیت میں یہ موجود نہیں تھا نبی اکرم اپنے ان دونوں

---

[1] مختصر تاریخ دمشق مد بن منظور ۷۔۱۱۷

نواسوں کو انہی آسمانی ناموں سے یاد کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حسن و حسین نام لینے کی تاکید فرماتے تھے آپ نے ان دونوں شہزادوں کا نام حسن و حسین رکھنے کی وجہ بھی بیان فرمایا: چنانچہ حضرت سلمان فارسی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جناب ہارون نے اپنے بیٹوں کا نام شبر وشبیر رکھا تھا اور میں نے انہی کے نام پر اپنے بیٹوں کا نام حسن و حسین رکھا ہے۔

آپ کا جناب ہارون کے بیٹوں کے نام پر حسن و حسین نام رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام و حضرت حسین علیہ السلام کے والد گرامی علی بن ابی طالب کے معاملات اور امور کا جناب ہارون کے معاملات اور امور زندگی سے گہرا ربط اور تعلق ہے پس اسی قوی مشابہت اور ربط کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں آپ نے فرمایا: کہ علی کو میری نسبت وہی مقام و منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہ وہی حدیث منزلت ہے جس کے بعض حفاظ نے ۱۵۰۰ اسناد نکالی ہیں اور اسے متوتر قرار دیا ہے۔

پس جب حضرت علی علیہ السلام خلافت اور رضایت میں جناب ہارون کے مقام پر ہیں تو ان کے بیٹوں کا نام بھی جناب ہارون کے بیٹوں کے نام جیسے ہونے چاہیے تاکہ ہارون کے ساتھ مماثلت کامل طور پر ثابت ہو۔

کنیت:

آپ کی کنیت کا ابو عبد اللہ ہونے پر تمام مورخین اور محدثین کا اتفاق رائے ہیں۔

القابات

۱۔سبط رسول ۲۔سید شباب اہل الجنۃ: یہ لقب اس مشہور حدیث سے مأخوذ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین علیہما السلام کے بارے میں فرمائی۔

الحسن و الحسین سیدا شباب اهلالجنة

۳۔ریحانۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ یہ لقب بھی حدیث نبوی سے مأخوذ چنانچہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ اور آپ کے بھائی حسن کے بارے میں فرمایا ہمار ریحانیان مع الدنیا۔

یہ دونوں دنیا کے دو پھول ہیں۔

والد گرامی:

آپ کے والد محترم امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف بن قصی القرشی الہاشمی المطلبی الطالبی ہے۔

والدہ محترمہ

آپ کی مادر گرامی حضرت فاطمہ بنت خدیجہ بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی ہے۔

ماں باپ اور خاندان کو حسب و نسب کے اعتبار سے جو فضیلت آپ کو حاصل ہے وہ روایت کیونکہ طولانی ہے لہٰذا ترجمہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ربیعہ السعدی کہتا ہے جب لوگوں کے درمیان فضیلت اور افضیلت کے بارے میں اختلافات ہوئے تو میں اپنا زادراہ اور سواری لیکر مدینہ کی طرف نکل پڑا اور مدینہ میں حذیفہ یمانی سے جا کر ملا، انہوں نے پوچھا کہاں

سے آئے ہو؟ میں نے کہا عراق سے، کہا عراق کے کس شہر سے؟ میں نے جواب دیا کوفہ سے۔ انہوں نے خوش آمدید کہا میں نے ان سے کہا کہ لوگ افضیلت اور فضیلت میں اختلاف کر رہے ہیں میں آپ کے پاس آیا۔

یہ معلوم کرنے کہ کون افضل اور کس کو باقیوں پر فضیلت حاصل ہے؟ جناب حذیفہ نے مجھ سے کہا تم ایک باخبر انسان کے پاس پہنچے ہو لہٰذا اب میں تمھیں صرف وہی بات بتاؤں گا جو میرے کانوں نے سنی ہے ان آنکھوں نے دیکھی ہے اور دل نے محفوظ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے اور میں ان کی طرف اسی طرح دیکھ رہا تھا جس طرح میں ابھی تمہاری طرف دیکھ رہا ہوں انہوں نے حسین بن علی کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا اور آپ کے کف ودست مبارک حسین کے قدموں پر تھے ایسی حالت میں آپ نے فرمایا: اے لوگو میں اپنے بعد افضیلت اور برتری کے بارے میں اختلاف کو جانتا ہوں لہٰذا سنو کہ یہ حسین بن علی ہے جو نانا اور نانی کے اعتبار سے سب سے بہتر اور برتر ہے جس کا نانا میں محمد رسول اللہ سید المرسلین ہوں اور نانی خدیجہ بنت خویلد ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے میں عالمین کی عورتوں پر سبقت رکھتی ہیں۔ یہ وہ حسین بن علی ہے جو ماں باپ کے اعتبار سے تمام لوگوں پر فضیلت رکھتا ہے جس کا باپ علی ابن ابی طالب رسول اللہ کا بھائی اور ان کا وزیر اور ابن عم ہے اور رسول اللہ پر ایمان لانے میں عالمین کے تمام مردوں پر سبقت رکھتا ہے۔ ان کی ماں فاطمہ بنت محمد ہے جو تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہے۔

یہ وہ حسین بن علی ہے جو چچا اور پھوپھی کے اعتبار سے باقیوں پر فضیلت رکھتا ہے ان کا چچا جعفر بن ابی طالب ہے جنہیں خدا نے دو پر دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور ان کی پھوپھی ام ھانی بنت ابی طالب ہے۔

یہ وہ حسین بن علی ہے جس کی ماں بنت محمد رسول اللہ ہے یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کندھے سے حسین کو اتارا اور دونوں ہاتھوں کے درمیان بلند کر کے اپنے قریب کر لیا اور فرمایا: اے لوگوں یہ حسین بن علی ہے جس کے نانا نانی جنت میں ہونگے جس کے ماں باپ جنت میں ہونگے ان کے بھائی جنت میں ہونگے۔ سنو کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کے علاوہ ذریت انبیاء میں حسین بن علی کے علاوہ کسی کو بھی یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔

ولادت

تمام مورخین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ آپ کی ولادت ۴ ہجری کو ہوئی لیکن شیعہ محدثین اور علماء نے ہجرت کے تیسرے سال میں آپ کی ولادت ثابت کی ہے ابن عساکر نے شیعہ مورخین سے نقل کرتے ہوئے آپ کی ولادت ماہ شعبان کی ابتدائی تین یا چار راتوں میں بیان کی ہے لیکن مشہور تیسری رات ہے۔

جائے ولادت مدینہ منورہ

آپ کی ولادت حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اس گھر میں ہوئی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے ساتھ اور مسجد نبوی (جو دوسرا حرم شریف ہے) اس کے وسط میں واقع تھا۔

شہادت

ابن عساکر کہتا ہے کہ اکثر اہل تاریخ کے نزدیک آپ کی شہادت ۶۱ ہجری محرم الحرام کی دس تاریخ کو ہفتہ کے دن ہوئی جبکہ بعض کے نزدیک جمعہ کے دن ہوئی۔

جائے شہادت

آپ کی شہادت کربلا مقدسہ میں نہر فرات کے کنارے واقع ہوئی جسے نینوا، غاضریہ اور حائر بھی کہا جاتا ہے۔

مدت عمر

آپ کی عمر ۵۵ سال نوماہ دس دن تھی جن میں سے چھ سال چند ماہ اپنے نانا کے ساتھ اور تیس سال پانچ مہینے اور کچھ دن اپنے والد محترم کے ساتھ رہے اور نو سال پانچ مہینے دس دن اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کی سرپرستی میں رہے۔

مدت امامت

آپ کی مدت امامت دس سال نو مہینے بیس دن رہی ہے اور ۶۱ ہجری ۱۰ رجب سن ۶۱ ہجری کو معاویہ کی موت کی خبر سننے کے بعد آپ نے مدینہ کو چھوڑا اور مکہ کارخ کیا اور مکہ سے ۶۰ ہجری دس ذی الحجہ پیر کے دن عراق کی طرف سفر کا آغاز کیا اور ۶۱ ہجری دو محرم الحرام کو سرزمین کربلا میں وارد ہوئے اور اسی ۶۱ ہجری کے دس محرم یعنی عاشور کے دن آپ کو شہید کیا گیا۔

شکل و شمائل

آپ شکل و شمائل کے اعتبار سے اپنے نانا کے مشابہہ تھے اور جسامت و رنگت کے اعتبار سے بھی آپ سے بڑھ کر کوئی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشابہہ نہ تھے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہت آپ اور آپ کے بھائی حسن کے حصہ میں ہی آئی اور آخر کیوں نہ ایسا ہو کہ یہ دونوں ایک ہی درخت کے ایک ہی پھل کے دو حصے ہیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أنا
الشجرة، وفاطمةأصلها۔أوفرعها۔وعليلقاحها، والحسنو الحسينثم
رتها، وشيعتناورقهافالشجرةأصلها
فيجنةعند، والأصلو الفرعو اللقاحو الثمر و الورقفيالجنة.

روایت کی گئی ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کہا کرتے تھے کہ کیا تم لوگ احادیث کے اندر من گھڑت باتیں داخل ہونے سے پہلے سے نہیں پوچھو گے کہ میں بتاؤں گا کہ حسن بن علی سینہ سے لے کر سر مبارک تک سب سے زیادہ رسول سے مشابہہ اور حسین علیہ السلام سینے سے لیکر قدموں تک رسول کے مشابہہ تھے۔

حضرت علی علیہ السلام حسنین کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہہ ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

جو شخص گردن اور لب ہائے مبارک رسول کے سب سے زیادہ مشابہہ انسان کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ حسن علیہ السلام کی طرف دیکھے اور جو گردن سے لیکر پاؤں تک خلقت اور رنگت میں رسول اللہ کی مشابہت کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ حسین کو دیکھئے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

رسول کی شباہت ان دونوں میں تقسیم ہوئی ہے تاکہ ان دونوں کے وجود سے رسول اکرم ﷺ کا وجود لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رہے اور رسول کا ذکر لوگوں کے دلوں میں موجزن رہے اور حضرت حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے والے اور آپ کے دندان مبارک پر چھڑی مارنے والوں کے لیے باعث عبرت بنے کہ انہوں نے حسین علیہ السلام کو نہیں بلکہ رسول کو قتل کیا ہے اور رسول ﷺ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری ہے یہی شباہت تھی جب خادم رسول انس بن مالک نے ابن زیاد کو دیکھا کہ وہ اباعبداللہ الحسین کے دندان مبارک پر چھڑی مار رہا تھا تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم حسن اور حسین ہی تھے جو سب سے زیادہ رسول ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔

اخلاق حسنہ

خلق عظیم کے مالک نبی کی شہزادی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گہوارہ ہی وہ بہترین درس گاہ ہے جس میں اسی اخلاق طیبہ پر اولاد کی تربیت ہو سکتی ہے اس کے باوجود جب حضرت زہراء نے اپنے بابا کو حالت احتضار میں دیکھا اور سمجھ گئیں کہ اب رسول اپنے مالک حقیقی سے ملنے والے ہیں تو حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں چھوٹے بچوں کو کچھ وراثت عطا کریں اور روایان حدیث اس کو آگے نقل کریں۔ روایت یوں نقل ہوئی ہے:۔

رسولؐ کی بیٹی (حضرت) فاطمہ (سلام اللہ علیہا) حسنؑ و حسینؑ کو لیکر رسول کے پاس آئیں جبکہ آپ مریض تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں آپ کے فرزند ہیں

انہیں کچھ وراثت میں عطا کریں یا یہ فرمایا کہ انہیں کچھ بخش دیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں ضرور، پھر فرمایا ''حسن کو میں اپنی ہیبت اور جود و سخا عطا کرتا ہوں اور حسین کو اپنی شجاعت اور استقامت کا وارث بناتا ہوں جناب فاطمہ نے عرض کی کہ بابا میں راضی ہو گئی۔

جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے جب اپنے بابا کو میراث یاد دلائی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاں میں جواب دیا یہ نہیں فرمایا ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے اگر انبیاء کے وارث نہ ہوتے تو زہراء جو کہ وارث بنتی تھی ان کے وارث نہ ہونے کو بیان فرماتے جب کہ حسنینؑ اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے تھے چونکہ ان کی ماں یعنی رسول کی بیٹی خود موجود تھیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کے مطالبہ کا منفی جواب نہیں دیا بلکہ انہیں خلق عظیم کا وارث قرار دیا جو ان کے لیے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیزیں تھیں مال دنیا کا نہیں جو زائل اور ختم ہونے والا ہے اور زہراء بھی اپنی اولاد کو قیادت انہی اہم صفات اور کمالات کا وارث بنانے پر راضی ہو گئیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کو ایک صابر امام کی صورت میں حلم و ہیبت اور جود و سخا جیسی صفات وراثت میں عطا کیں اور حسین کو راہ خدا میں کلمہ حق بلند کرنے والے ایک مجاہد امام کی صورت میں شجاعت، جرأت اور استقامت جیسی صفات کا وارث بنایا۔

طهارت الٰهيه

لوح محفوظ پر جب حسین علیہ السلام کا ائمہ میں سے ہونا قرار پایا تو جس وحی کے سایہ میں حسین کی زندگی گذر رہی تھی اور بیت رسالت میں جہاں ان کے نانا پر وحی آسمانی اترتی تھی اسی کے صحن میں زمانہ طفلی گذر رہا تھا اب ضروری تھا کہ آسمانی فیصلہ زمین والوں پر واضح اور ثابت ہو اور ایسا ہی ہوا چنانچہ ام المومنین جناب ام سلمہ کہتی ہیں:

نزلت هذه الآية فيبيتي:
إنمايريداللهليذهب عنكمالرجسأهلالبيتو يطهركم تطهيرا
وفي البيت سبعة: جبريل،وميكائيل، ورسول اللهصلياللهعليهوآلهوسلم،وعلي،وفاطمة،والحسن،والحسين.
قالت: وأنا علي باب البيت، فقلت: يا رسول اللهألستمنأهل البيت؟
قال: إنک على خير، إنک من أزواج النبي صلى اللهعليهوآلهوسلموماقال: ((إنکمنأهل البيت!))[2]

فرماتی ہیں کہ یہ آیۂ

إنمايريداللهليذهب عنكمالرجسأهلالبيتو يطهركم تطهيرا

میرے گھر میں نازل ہوئی جبکہ گھر میں سات افراد موجود تھے جبرئیل، میکائیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین اسوقت میں دروازے کے پاس تھی میں نے رسول سے کہا کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں تو آپ نے فرمایا تو خیر پر ہے اور تُو ازواج نبی میں سے ہے یہ نہیں فرمایا اہلبیت میں سے ہے۔

دوسری حدیث:

---

2. مختصر تاریخ دمشق لابن منظور ۷۔ ۱۲۰

رسول اللہ ام سلمہ کے ہاں تھے آپ نے حسن کو ایک زانو پر بٹھایا حسین تو دوسرے زانو پر اور فاطمہ کو سامنے بٹھا کر فرمایا اللہ کی رحمت اور برکات تم پر ہیں اے اہل بیت یقیناً اللہ قابل حمد وستائش ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب مباہلہ کا امر ہوا تو فرمایا:

فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسناء وانفسكم ثم ينتهل منجعل لعنة الله علیالكلذبين.

اس بارے میں امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل نجران سے مباہلہ کے لیے مجھے، فاطمہ اور حسن وحسین علیہما السلام کو لیکر نکلے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے حسن حسین ہمارے نفس علی اور ہماری نساء فاطمہ ہے پس جب اس عظیم اور اہم موقع پر اہلبیت رسول کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں تو ضروری ہے کہ اہلبیت کے اندر بھی وہی طہارت قدامت اور عظمت ہو جو رسول کے اندر موجود ہے۔

پس ان احادیث کے اندر واضح دلالت ہے کہ اہلبیت پاکیزہ ہستیاں ہیں۔

غیبی طاقت

ولادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کا بچپن اس گھر میں گذرا جہاں فرشتوں کا آنا جانا رہتا تھا اور وہ آپ کے نانا پر وحی آسمانی اور غیبی اسرار لے کر اترتے رہتے تھے فرشتوں کی آمد ورفت سے اگر ان کے بال وپر میں سے کچھ گر جاتا تو یقیناً اہلبیت ان بال وپر کو اٹھاتے اور اس غرض سے محفوظ کر لیتے کہ رسول اللہ نے انہیں وحی جبرئیل کے پر وبال جمع کر

کے حسنین کے لیے تعویذ بنا کر دیئے اور یہ دونوں ہمیشہ ان تعویزوں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے تاکہ یہ ان دونوں کے اور آسمان والوں سے ارتباط پر بہترین دلیل قرار پائے۔

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ

حسن و حسین علیہما السلام کے پاس دو تعویز تھے جن میں جبرئیل کے گرے ہوئے پر و بال جمع تھے۔ حضرت جبرئیل کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ایک خاص تعلق بھی تھا جو مادی طور پر حسین علیہ السلام کی قوت اور شجاعت کو بڑھاتا تھا حدیث ہے۔

خضاب لگانا

عمر بن عطاء نقل کرتا ہے کہ میں نے حسین بن علی کو کالا خضاب لگاتے ہوئے دیکھا اس وقت جب آپ ساٹھ سال کے تھے اور آپ کے بال اور داڑھی بالکل کالے نظر آتے تھے۔

تواضع اور کرم

ابی بکر بن حزم نقل کرتا ہے ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام کا گذر بعض مساکین کے قریب سے ہوا جو مسجد نبوی کے قریب واقع چبوترہ صفہ پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تب آپ ان کے پاس گئے اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور پھر فرمایا خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یہ فرمانے کے بعد آپ نے ان فقراء سے کہا کہ میں نے تم لوگوں کی دعوت قبول کی ہے لہٰذا اب آپ لوگ بھی میری دعوت قبول کریں اور میرے ساتھ میرے

گھر چلیں انہوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کے ہمراہ آپ کے گھر پہنچے آپ نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ جو کچھ گھر میں موجود ہے وہ سب مہمانوں کے لیے پیش کر دیں۔[3]

---

[3]. تاریخ دمشق لابن منظور ۷۔ ۱۲۲

دوسرا باب

ادوارِ حیات

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام واقعہ کربلا سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرپرستی میں۔

۲۔ وفات حضرت رسول اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد۔

۳۔ مسندِ امامت پر تشریف آوری۔

زمانۂ رسول اللہ رسول اللہ ﷺ میں

۱۔ نقل حدیث	۲۔ بیعت رسول
۳۔ رسول اکرم کا سلوک	۴۔ رسول اکرم کے فرامین
۶۔ حسین کا رونا	۶۔ محبت اور بغض
۷۔ امن و جنگ	۸۔ امانت رسول

ا۔ نقل و روایت احادیث

حسین علیہ السلام کی ولادت اس وقت ہوئی جب آپ کے نانا دین اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت میں مصروف تھے اور دین اسلام رفعت وبلندی کے اوج پر تھے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے بعد اس کی قیادت اور امور کی تدبیر اور مصالح کی نگرانی اور سرپرستی فرما رہے تھے ایسے دور میں آپ کبھی رسول کی گود میں آکر بیٹھتے تھے اور کبھی پشت پر چڑھ جاتے تھے اور کبھی کاندھوں پر سوار ہو جاتے تھے۔ پس ایسے میں یقیناً جو کچھ رسول فرماتے تھے حسینؑ اسے سن بھی رہے تھے اور جو کچھ رسول کرتے تھے اسے دیکھ بھی رہے تھے۔ لہذا یقینی طور پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک اور احادیث کا بڑا مجموعہ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو گیا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سات سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بسر کیے۔ یقیناً یہ طویل عرصہ بہت سے امور میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور سنت کی حفاظت کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

ابن عساکر نے بعض روایات جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا سے سنی تھیں وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی لکھتے ہوئے بیان کیں ہیں ان میں سے پہلی حدیث یہ ہے:

آپؑ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی بھی مسلمان مرد اور عورت جس پر مصیبت آئے اور وہ اس مصیبت پر کلمہ استرجاع یعنی (انا للہ وانا الیہ راجعون) زبان پر

جاری کرے تو خداوند عالم اس کو اس مصیبت اور غم سے آزاد کرتا ہے اگرچہ اس کا زمانہ طولانی ہی ہو اور اس مصیبت پر کئے گئے وعدہ کے مطابق اجر و ثواب بھی عطا کرتا ہے۔[4]

ابن عساکر کا سب سے پہلے اس حدیث کو سوانح حضرت امام حسین علیہ السلام میں ذکر کرنے کا ہدف اور مقصد کیا ہے؟

یقیناً یہ مقصود ہے کہ امام سے سب سے پہلے یہ حدیث منقول ہوئی ہے یا پھر یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ابتداء زندگی سے ہی حسینؑ کو مصیبتوں پر صبر و تحمل کا درس دینا شروع کیا تھا اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ہی یہ اثر تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کا محور صبر قرار پایا اور اسم مبارک امام کے ساتھ صبر و صابر کا لفظ لازم و ملزوم ہو گئے۔

یقیناً اس میں عبرت لینے والوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔

دوسری حدیث جسے ابن عساکر نے امام کی سوانح حیات میں ذکر کیا ہے۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرے بابا نے مجھے بتایا انہوں نے نبی اکرم سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا دھو کہ کھانے والے انسان کی نہ تعریف ہوتی ہے اور نہ اس کو اجر ملتا ہے۔

اس حدیث میں بہت بڑا سبق ہے۔

---

[4]۔ مختصر تاریخ دمشق ابن منظور ۷۔ ۱۱۰

چونکہ جو دنیا کے لیے عمل کرتا ہے تو تعریف کی شکل میں اس عمل کا عوض دنیا میں اسے مل جاتا ہے اور جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے آخرت میں اجر و ثواب کی صورت میں اس کا عوض اس کو مل جاتا ہے اس لیے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے یعنی جس چیز کی نیت کی ہے وہی اس کو مل جاتا ہے لیکن کوئی دھوکہ کھاتا ہے اور اس سے وہ چیز چھن جاتی ہے جسے دینے کی اس کی نیت ہی نہیں ہوتی اور یہی دھوکہ کھانے والا انسان ہے جس کے فعل پر اس کی سرزنش اگر نہ ہو تو اس کو سراہا بھی نہیں جاتا بلکہ بسا اوقات یہ دھوکے بازوں کا آلہ کار بن جاتا ہے اور ان کے ہاتھوں کھلونا بن کر انسانی اقدار کی پامالی کا سبب بن جاتا ہے اس لیے حدیث میں اجتماعی امور کے علاوہ انفرادی اور شخصی امور میں بھی ہوشیار اور بیدار اور متنبہ رہنے کا حکم دیا ہے تاکہ انسانی اقدار پائمال نہ ہوں دھوکے بازوں کے ہاتھوں انسان کھلونا نہ بنے لہٰذا اس حدیث کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو بیدار اور ہوشیار رہنے کا درس دے رہے ہیں۔

۲۔ بیعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو بچہ دینی احکامات کا مکلف نہ ہو وہ آداب اور تربیتی امور کے علاوہ کسی دوسری چیز کا پابند نہیں پس بیعت جس میں عقد بیعت کی پاسداری اور اس پر عمل بھی ضروری ہوتا ہے بچوں سے نہیں لی جاسکتی اس لیے کہ یہ کام عقل و شعور کا متقاضی ہوتا ہے اور احساس مسؤلیت کے ساتھ ساتھ نتائج بیعت کے تحمل اور برداشت کی صلاحیت کو بھی ضروری جانا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اہلبیت کے بعض بچوں کی بیعت قبول کر کے ان کو باقی بچوں سے منفرد اور ممتاز کر دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے ان بچوں کے اعمال بڑوں کے عمل کے مساوی ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام روایت کرتے ہیں:

حسن و حسین عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر نے حضرت نبی اکرم کی بیعت کی جبکہ یہ بچے حد بلوغت کو نہیں پہنچے تھے پھر فرمایا ہمارے علاوہ کسی اور بچے کی بیعت نہیں ہوئی۔

یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اہلبیت کے گھرانوں میں کم عمر ہونا مرحلہ رشد تک پہنچنے اور بڑوں پر فرض اعمال کے انجام دینے میں رکاوٹ نہیں بنتا اس بات کی تصدیق رسول اکرم ﷺ کا عمل غیب اور معجزہ الٰہی کر رہا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کم عمری ان کے نبی ہونے میں رکاوٹ نہ بن سکی اسلیے کہ معجزہ ان کی پشت پناہی میں تھا اور نوزائیدہ ہونے کے باوجود وہ لوگوں سے کلام کر رہے تھے تو پھر بھلا کیسے حسین کی کم عمری نانا کی بیعت کے لیے رکاوٹ اور مانع بن سکتی ہے؟

۳۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا اظہار محبت

ایک دفعہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے حسین علیہ السلام کو راستے میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو دوڑتے ہوئے سامنے تشریف لائے اور دونوں ہاتھوں کو حسین کو اٹھانے کے لیے بڑھایا تو حسین علیہ السلام کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھاگنے لگے۔

ساتھ ساتھ حضرت نبی اکرم ﷺ بھی حسین کے پیچھے بھاگنے لگے اور ہنستے ہوئے حسین کو پکڑ لیا روایت نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے راوی اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے حضرت رسول اکرم ﷺ نے حسین کو پکڑنے کے بعد ایک ہاتھ گردن کے پیچھے اور دوسرا گردن کے نیچے رکھا اور حسین کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر بوسہ لیا اور فرمایا:

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں خدا اس سے محبت رکھتا ہے جو حسین سے محبت رکھے۔[5]

حضرت رسول اکرم ﷺ جو نبوت اور رسالت کی عظیم ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھے اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں اور قیادت امت کا منصب بھی رکھتے ہیں وہ راستے میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں یقیناً اس بچے کی شان بھی عظیم ہے اور یہ عظمت و ہیبت میں رسول کے مشابہہ ہے اسی قوی مشابہت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے

دوسرا واقعہ

حضرت رسول اکرم ﷺ جو تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہیں اور زمین و آسمان کے درمیان واحد واسطہ ہیں اور تمام بشری کمالات کی اعلی ترین مثال ہیں۔ اس رسول کی محبت اور شفقت کا مرکز حسن و حسین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا یہی حسن و حسین ہیں جو حالت سجدہ میں رسول کی پشت پر سوار ہو جاتے ہیں اصحاب انہیں اتارنا چاہتے ہیں تو رسول اشارہ سے

[5] ۔ تاریخ دمشق لابن منظور ۷۔ ۱۴۰

انہیں منع فرماتے ہیں اور اس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھاتے جب تک یہ اپنی مرضی سے نہیں اترتے حدیث یہاں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ راوی کہتا ہے کہ نماز ختم ہونے کے بعد رسول انہیں اپنی گود میں اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے انہیں چاہیے کہ ان دونوں سے محبت کریں۔

بے شک ان دونوں فرزندوں کے عمل کو بغیر مقصد و شعور اور بچگانہ حرکت قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ان کی شان اس سے بالاتر ہے کہ یہ حالت نماز اور غیر نماز میں تمیز نہ کر سکیں اور اس تقرب کی عظیم حالت میں رسول کا سلوک بھی بشری ہمدردی اور محبت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا یہ دونوں فرزند اس پیکر نوری پر اس وقت سوار ہو جاتے ہیں جب وہ آسمان کی بلندیوں کو طے کر رہے ہوتے تھے اسلئے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے اور نبی اکرم ﷺ سید المؤمنین ہیں پس یوں اس بلندی اور عظمت کی انتہاء کو کون درک کر سکتا ہے اس عظیم اور ارفع حالت میں رسول خاموش رہتے ہیں انہیں کچھ نہیں کہتے بلکہ خوشی اور رضائت کا اظہار فرماتے ہیں یہی حسن و حسین کی عظمتوں کی بلندی ہے ان کے علاوہ یہ رفعت و عظمت کسی اور کو حاصل نہیں البتہ ان کے والد محترم علی بن ابی طالب جو ان دونوں سے بھی افضل ہیں فتح مکہ کے دن حکم رسول سے دوش رسول پر سوار ہوئے تھے تا کہ خانہ خدا کی دیواروں پر نصب بتوں کو توڑ ڈالیں اس مقام کی بلندی اور عظمت کو علی علیہ السلام یوں بیان فرماتے ہیں:

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتا ہوں۔[6]

6۔ المستدرک علی الصحین ۲۔۳۶۶

میرے لیے رسول کے پیکر نوری پر سوار ہونے سے بڑھ کر کوئی شرف اور فضیلت نہیں ہے۔ یہ شرف صرف انہیں کو حاصل ہو سکتا ہے جو نفس رسول ہوں یا رسول کے وجود کا حصہ ہوں اسی حقیقت کو حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس وقت بیان فرمایا: جب حضرت عمر نے حسنین کو رسول کے کندھوں پر سوار دیکھا تو کہا: تم دونوں کی سواری کتنی اچھی ہے تو حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دونوں سوار اتنے اچھے ہیں۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرامین

حضرت رسول اکرم ﷺ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو سلوک تھا اس کے بعض نمونے بیان کرنے کے بعد حسین کے بارے میں آپ کے بعض فرامین یہاں پر بیان کرتے ہیں کہ

آپؐ فرماتے ہیں کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

اب حضرت امام حسین علیہ السلام کا حضرت رسول اکرم ﷺ سے ہونا واضح بھی ہے اور واقعی بھی اس لیے کہ حسین نبی کے نواسے ان کی بیٹی کے بیٹے اور ابن عم علی کے فرزند ہیں۔

جب یہ روشن اور واضح تھا تو حضرت رسول اکرم نے کیوں اور کس وجہ سے فرمایا کہ حسین مجھ سے ہے آیا یہ علی کو جو مباہلہ میں نفس رسول قرار دیا تھا تو کیا اس پر ایک تاکید ہے یا رسول اللہ ﷺ اس جملے کے ذریعے اس کے بعد آنے والے جملے وانا من الحسین کے لیے مقدمہ سازی کر رہے ہیں جس کے بارے میں سوال اٹھتا ہے کہ رسول حسین سے کیسے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ مبعوث بر سالت ہونے کے بعد محض ایک شخصیت نہیں رہے بلکہ ایک مثال اور نمونہ قرار پائے جس میں رسالت کی تمام جہات اور جوانب کی مثال اور نمونے موجود تھے پس آپ کی زندگی ہی رسالت ہے اور رسالت آپ کی زندگی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر والد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ایک بیٹا ہو جو اس کا وارث بنے اور اس کے امور اور معاملات کو سنبھالے اور اس کا نام زندہ رکھے لہٰذا باپ مرتے دم تک بیٹے کا خیال رکھتا ہے اور اس کی سلامتی اور راحت کے بارے میں نگراں رہتا ہے اس لیے کہ باپ یہ سمجھتا ہے کہ بیٹا اس کا ایک اور وجود ہے۔

جب مادی زندگی میں باپ بیٹے کے درمیان یہ رابطہ اور تعلق ہے تو حسین وہ ہے جس نے رسول کی رسالت کو زندہ کرنے اور رسول کے نام کو باقی رکھنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے اور اس سے بڑھ کر کیا ہے جو ایک باپ اپنے بیٹے کے لیے کر سکتا ہے حسین نے رسول کی رسالت کو بچانے میں اپنا سب سے قیمتی سرمایہ لٹا یا حتیٰ کہ جگر کے ٹکڑے، چھوٹے بڑے سب اس رسالت پر قربان کر دیئے اور رسالت کی جڑوں کو اپنے اور اپنی اولاد کے خون سے آبیاری دی جب حسین نے رسول کی رسالت کی بقاء اور حفاظت کے لیے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے تو یقیناً رسول کے نزدیک حسین سب سے عزیز بھی ہوں گے لہٰذا رسول کا حسین سے ہونے میں کوئی تعجب نہیں اور واقعہ کربلا کے بعد سب پر یہ بات واضح ہو گئی کہ رسالت محمدی وجود ذات محمد سے ہے لیکن بقاء ذات حسین بن علی کی وجہ سے ہے اور جب دین بد کرداروں کے ہاتھوں اسیر ہوا اور وہ اس کے وجود اس کو مٹانے کے درپے ہو گئے تو حسین بن علی اٹھ کھڑے

ہوئے اور دین محمدی یزیدی قید سے آزاد کرا کر دوبارہ اصل واصول پر ثابت کر دیا اور دوبارہ زندگی دی یہی وجہ تھی جس کی وجہ سے نبی اکرم نے فرمایا کہ میں حسین سے ہوں۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کے فرامین یہیں پر آکر ختم نہیں ہوئے بلکہ دیگر بہت ساری احادیث موجود ہیں جو حسین کے اپنے نانا کے ساتھ تعلق اور ارتباط کو گہرائی کے ساتھ بیان کرتی ہیں اور حسن و حسین علیہما السلام کے بارے میں رسول کے اہتمام اور توجہ کو ثابت کرتی ہیں۔

ان احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حسن و حسین دنیا کے دو پھول ہیں اور یہ بات اتنی مشہور ہو گئی کہ ان کے والد محترم "ابا ریحانتین" کے نام سے معروف ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا اے ابا ریحانتین میں تمہیں اپنے ان دونوں پھولوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ عنقریب تمہاری زندگی کے دو اساسی ستون منہدم ہونے والے ہیں۔

جب حضرت رسول اکرم ﷺ کی رحلت ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ان دو ستونوں میں سے ایک شہید ہو گیا اور جب حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی شہادت ہوئی تو فرمایا آج دوسرا ستون بھی شہید ہو گیا۔

حضرت رسول خدا ﷺ اور جناب زہراء کی وفات کے بعد حسنین ہی علی علیہ السلام کے مونس و غم خوار تھے اور حضرت علیؑ انہی دونوں شہزادوں کی طرف نگاہ کر کے رسولؐ کے وجود کا احساس کرتے تھے اور ان سے رسولؐ کی خوشبو محسوس کرتے تھے رسول

اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد آپ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا سے کہتے تھے میرے دونوں شہزادوں کو بلاؤ پھر آپ ان سے رسول کی خوشبو سونگھتے تھے اور سینہ سے لگاتے تھے۔

مشہور حدیث

حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اس حدیث شریف کو حسنین کے بابا حضرت علی علیہ السلام اور خود حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ حضرت ابن عباس، حضرت عمر بن خطاب، عبداللہ بن عمر، ابن مسعود، مالک بن الحویرث حذیفہ بن الیمانی، ابو سعید الخذری اور انس بن مالک نے روایت کیا ہے۔ بعض روایات میں ایک اضافہ بھی ذکر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے:

ابوھما خیر من ھما

جنت اہل خیر کی آرامگاہ اور محل ہے خداوند عالم نے حسنین کے لیے جنت کو مخصوص کر دیا اور جنت کی سرداری کو صرف انہی کے لیے مختص کر دیا ہے جب حسنین کی یہ شان ہے تو ان کے بابا حضرت علی علیہ السلام جو ان دونوں سے افضل ہیں ان کی شان اور فضیلت کیا ہو گی؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسنین کی جب فضیلت بیان ہو رہی تھیں تو اس کے ساتھ ان کے بابا علی علیہ السلام کے ذکر کا کیا مقصد ہے؟

اسکی وجہ یہ ہے چونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ از طریق وحی جانتے تھے کہ علی کو حسب و نسب اور دامادی کے علاوہ حسنین کے بابا ہونے کا شرف حاصل ہونے کے باوجود اعداء اسلام ان کے بارے میں مختلف شبھات اور بدعات تاریخ کے سیاہ ترین دور میں ایجاد کر دیں

گے لہٰذا نبی اکرم نے حسنین کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا بھی ذکر کیا تاکہ یہ لوگ حسنین کی فضیلت کا اقرار کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں کا انکار نہ کر سکے اور مختلف شبہات ایجاد کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کر سکیں اور وہ لوگ جو دین داری کی باتیں کرتے ہیں اور رسول کی نسبت اور احادیث کو مقدس سمجھنے کے ساتھ ساتھ آل رسول اور رسول کے نواسوں کے احترام کی باتیں کرتے ہیں اور انہیں جوانان جنت کے سردار سمجھتے ہیں لیکن دنیا اور مال و زر اور حکومت حاصل کرنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام پر ظلم کرتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ وہ رسول کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں بلکہ ضلالت اور گمراہی کی راہ پر ہیں اس لیے کہ حسنین کو تو جنت کی سرداری نواسہ رسول حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے ہونے کی وجہ سے حاصل ہے جبکہ علی علیہ السلام کو جو کمالات حاصل ہیں وہ ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ان کمالات میں سے ایک تو یہ کہ علی نبی کے چچازاد بھائی ہیں دوسرا یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں اس کے علاوہ علی نفس رسول ہیں علی نبی کے داماد ہیں زہراء کے شوہر ہیں اسلام میں علی کو مجاہد فی سبیل اللہ کی فضیلت بھی حاصل ہے ان تمام فضیلتوں کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ رسول ہیں آپ حسنین کے بابا ہیں مسلمانوں کے امام ہیں یہ تمام فضیلتیں اور کمالات ہوتے ہوئے نسل بنی امیہ نے امت اسلامی کی پر امن فضا کو ضلالتوں اور گمراہیوں سے بھر دیا یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت نقل کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی اور لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ حسنین اور ان کی مادر گرامی جناب زہراء کی فضیلت کو تو مانیں لیکن حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں سے انکار کریں اور علی کو ان سے جدا کریں پس یہ وجہ تھی کہ نبی نے حسنین کے ذکر کے ساتھ علی کا بھی ذکر کیا۔

حذیفہ کا غلام روایت کرتا ہے کہ ایکبار حضرت حسین علیہ السلام حج کے دوران میرا ہاتھ تھام کر چل رہے تھے کہ پیچھے سے ایک بندہ بار بار یہ کہتا ہوا آیا کہ خدا اس کو اور اس کی مادر گرامی کو بخش دے یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے میرا ہاتھ چھوڑا اور اس شخص کی طرف مڑ کر فرمایا تم نے آج مجھے بہت اذیت دی ہے کہ تم میرے اور میری ماں کے لیے تو طلب استغفار کر رہے ہو لیکن میرے بابا کے لیے نہیں جبکہ میرے بابا مجھ سے اور میری ماں سے بھی بہتر ہیں۔

حسین کا گریہ

ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہوئے کہتا ہے:

ایک دن حضرت رسول اکرم ﷺ جناب عائشہ کے گھر سے نکلے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کے پاس سے گذرے تو اندر سے حسین کے رونے کی آواز آئی تب آپ اندر گئے اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا حسین کے رونے سے مجھے اذیت ہوتی ہیں آپ اپنی ازواج سے فرماتے تھے اس بچے "حسین" کو نہ رلاؤ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین علیہ السلام کے رونے پر کیوں دکھی ہوتے تھے جبکہ رونا تو بچے کی فطرت ہوتی ہے۔ یقیناً اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث جس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور وہ یہ کہ حسین کے رونے سے حضرت نبی اکرم ﷺ کو وہ عظیم مصیبت یاد آجاتی تھی جس کا اس بچے کو سامنا کرنا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت میں ولادت سے لیکر بلکہ ولادت سے بھی پہلے اور شہادت کے بعد تک رونے کا ایک خاص مقام اور فلسفہ ہے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے دن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ اہلبیت کو بھی رلایا ہے یوم شہادت کے دن آپ کے اصحاب اور اہلبیت آپ کی بیکسی پر روئے ہیں اور خود امام اپنی مصیبت پر روئے ہیں اور ائمہ معصومین اور ان کے پیروکار اور آپ کی شہادت مظلومانہ کی خبر سننے والے ہر انسان نے آپ پر گریہ کیا ہے یہاں تک کہ خود حضرت امام عالی مقام فرماتے ہیں کہ میں قتیل عبرت ہوں۔ کوئی مومن مومنہ مجھے یاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ روئے گا۔

اور بہت سارے نصوص حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر رونے کے حوالے سے وارد ہوئی ہیں جو مقتل کی کتابوں میں ذکر ہیں۔

بغض و محبت

انسان کی اپنی اولاد سے محبت ایک طبیعی امر ہے لیکن اولاد کی محبت کو اپنی محبت کے ساتھ مربوط اور مشروط کرنا ایک الگ بات ہے اس لیے کہ اس سے محبت کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ اس کی اولاد سے بھی محبت کی جائے یعنی نانا سے محبت کا لازمہ یہ نہیں کہ ہر حال میں ان کی اولاد سے بھی محبت کی جائے لیکن یہاں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کی محبت کو اولاد اور عترت کے ساتھ محبت رکھنے کے ساتھ مشروط اور مربوط کر دیا ہے چنانچہ آپ حسنعلیہ السلام اور حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ان دونوں سے محبت رکھے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان جو محبت کا رشتہ ہے وہ فقط عشق عاطفی نہیں بلکہ امت اور رسول کے درمیان عقیدہ تقدس جلالت سرداری اور قیادت سے محبت کا رشتہ بھی ہے اس لیے رسول کی ذات گرامی صفات جمالیہ و کمالیہ اور شرف اکرم مہربان وہمدرد جس صفات سے متمیز ہے لہٰذا ان صفات اور کمالات کا لازمہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے محبت کی جائے اگر حسن اور حسین علیہما السلام کے اندر بھی یہ صفات اور کمالات ہوں اور وہ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی اس مقام پر پہنچ جائیں جس پر رسول گرامی کی ذات ہے تو پھر کوئی حسنین سے بھی اس طرح محبت رکھے گا جس طرح سے رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اصل میں کمالات اور صفات حسنہ سے محبت ہے جو ان کے اندر بھی اسی طرح پائی جاتی ہے جس طرح رسول خدا ﷺ کے اندر موجود ہے اور یقیناً ان کے اندر بھی وہ صفات اور کمالات پائے جاتے ہیں اور ان کے درمیان ایک ارتباط پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ان کی محبت کو اصل قرار دے کر اپنی محبت کو اس سے مشروط کر دیا جبکہ دوسری حدیث میں ان کی محبت کو اپنی محبت پر متنوع فرمایا لیکن جب منشاء محبت اور سبب محبت ایک ہے تو پھر فرق نہیں پڑتا۔

''من أحبنی فلیحب مندین '' کہے یا ''من احبھافقداحبنی '' ہے بات ایک ہی ہے اور وہ احادیث جن میں عترت سے محبت کی تاکید کی گئی ہے اور وہ عترت جس کا ایک فرد خود حسین ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ ابن عسا کر نے ان کی بڑی تعداد ذکر کی ہے ان احادیث کے اندر موجود تصریحات دیکھ کر کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ آخر اس قدر تاکید اور تصریح اہلبیت اور عترت کی محبت پر کیوں؟

جبکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والے مؤمنین ایمان اور عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی عترت کا احترام کریں اور ان سے محبت رکھیں اور تعلیمات اسلامی کے مطابق بھی ان کا احترام کریں اور ان سے محبت رکھیں اس حقیقت سے قطع نظر کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان موجود معارف جیسے ایک ذات کی وجہ سے ہزاروں ذوات کا اکرام کیا جاتا ہے یا المرء یحفظ في ولده - انسان اپنی اولاد میں محفوظ رہتا ہے ان جیسے معارف کی وجہ سے بھی وہ آپ کی آل اور عترت سے محبت اور مودت رکھیں گے اس کے علاوہ خود اہلبیت وہ ذات ہے جو کمالات شرف علمی اور عملی میں ایک حیثیت رکھتے ہیں جو ان سے محبت رکھنے کے لیے کافی ہے اور تمام مسلمان ان کے علمی کمالات سے بخوبی آگاہ بھی ہیں بلکہ اگر ہم آثار اور منقولات کی طرف نگاہ کریں تو ان سے بڑھ کر کوئی اور محبت اور تکریم کا مستحق نظر نہیں آتا ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی بافضیلت اور قابل قدر فرد نظر نہیں آتا کہ محبت کے تمام تقاضے ان کے اندر پوری طرح سے موجود ہوں تو پھر کیوں رسول اکرم ﷺ ان کی محبت کی تاکید فرما رہے ہیں اور اپنی محبت کو ان کے ساتھ محبت رکھنے کے ساتھ مشروط کر رہے ہیں؟

ہمیں اس سوال کا جواب دینا آسان ہو گا بشرطیکہ ہم ان احادیث کی طرف مراجعہ کریں جن میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی اور ان کی محبت کو لازمہ قرار دینے کے بعد ایک اضافہ بھی کیا ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ ''ومن أبغضها فقد أبغضني'' یہاں پر تعجب اور حیرانگی ہوتی ہے کہ آیا ایسے لوگ موجود ہو سکتے ہیں جو حسن اور حسین سے بغض رکھیں گے یہ سوالات پہلے والوں سے زیادہ سخت اور مشکل ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے

لوگوں کے وجود کو درک کیا اور ان کی موجودگی کی وجہ سے فرمایا کہ ان دونوں سے جس نے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

اس کے علاوہ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ محبت دو طرفہ ہے یعنی رسول اللہ ﷺ سے محبت حسنین علیہما السلام سے محبت ہے اور حسنین علیہما السلام سے محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے جبکہ بغض میں صرف ایک طرف ہے فرمایا جو ان دونوں سے بغض رکھے گا اس نے مجھ سے بغض رکھا یہ نہیں فرمایا جو مجھ سے بغض رکھے گا اس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ایسے مسلمان افراد کا تصور کرنا ممکن نہیں جو رسول کی ذات سے بغض رکھتے ہوں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بغض رکھنا رسول ﷺ کی رسالت سے انکار کرنا ہے اور اس کا انکار ہے جس نے اس کو رسول اللہ ﷺ بنایا ہے جو کہ کفر ہے لیکن آل رسول سے بغض و کینہ قابل تصور بات ہے بلکہ روئے زمین پر یہ واقع بھی ہو چکا ہے کہ امت رسول میں ایسے لوگ موجود تھے جو حسنین سے بغض رکھتے تھے بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ منبروں سے ان کی مدح و ثنا کی بجائے ان پر سب شتم کیا گیا بلکہ ایسے لوگ بھی سامنے آئے جو ننگی تلواریں لیکر آل رسول حسنین سے قتال کے لیے میدان میں اترے آیا آل رسول ﷺ میں سے رسول کے سب سے عزیز فرزند حسین کو ان کے نانا کی امت کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہے؟

حضرت نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ حدیث کے ذریعے ایک پیشن گوئی فرمائی کہ حسنین سے بغض کی صورت میں خود ان سے بغض رکھنا رسول سے بغض رکھنا کیوں ہے؟ اس لیے کہ حسنین شریعت محمدی کا اعلی کردار اور نمونہ ہیں اور رسول کے کردار و گفتار کی اعلیٰ

مثالیں ہیں پس ان سے بغض صرف ان سے بغض نہیں بلکہ رسول اور ان کی رسالت سے بغض رکھنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی رسالت کو ٹھکرانا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے نفرت کرنے پر بڑے بھیانک اور سنگین نتائج سے آگاہ فرمایا کہ جو ان دونوں سے محبت رکھے گا میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور جو مجھ سے محبت رکھے خدا اس سے محبت رکھتا ہے اور جس سے خدا محبت کرے تو خدا اس کو جنت میں داخل کرے گا جہاں نعمتیں ہونگی اور جو ان دونوں سے بغض و کینہ رکھے اس نے مجھ سے بغض و کینہ رکھا اور جو مجھ سے بغض و کینہ رکھے گا اس نے خدا سے بغض رکھا اور جو خدا سے بغض و کینہ رکھے گا خدا اس کو جہنم کی آگ میں ڈال دے گا جہاں اس کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔

لیکن جو لوگ مجبوراً دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور روح اسلام سے بیگانہ رہنے اور زمانہ جاہلیت کے تعصب اور قوم پرستی نے جن کے دل و دماغ کو جکڑے رکھا انہوں نے ان احادیث کو بشری عاطفہ فطری کا نتیجہ قرار دیا اور رسول کے مقدس کلام سے رخ موڑ لیا جس کے کلام کو خدا نے وحی اور گفتگو کو حدیث اور افعال کو سنت اور شریعت قرار دیا اور اس کی اطاعت کو فرض اور مخالفت کو کفر و انفاق قرار دیا اور ان کے کلام کو خواہشات نفسانی سے بعید قرار دیا اس کے باوجود امت نے ان احادیث کو پس پشت ڈال کر آل محمد پر ظلم و سب و شتم قتل و دربدری جیسی مصیبت آل رسول پر ڈھا دیں اور ان لوگوں نے ایسی ناخلف نسل پیچھے چھوڑی جس نے حق کو ضائع کر دیا اور لوازم و نواہی سے رخ موڑا اور اپنے ان بزرگوں کی روش پر چل پڑے جنہوں نے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی کی خلافت اور ولایت اور امامت کی رہبری سے دور کر دیا

تھااور امت اسلامیہ کے اہم ترین اور حساس ترین مناصب کو نسل بنی امیہ اور بنی عباس کے نادان لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

امن و جنگ

نبی اکرم ﷺ جب اہلبیت (علی فاطمہ حسن و حسین) کے فضائل بیان فرما رہے تھے اس وقت خود نبی بھی ان فضائل سے آگاہ تھے اور اہلبیت بھی اپنے ان فضائل کو جانتے تھے یہ عظیم معلم اپنی امت کو ان کے فضائل سے متعارف کرارہے تھے تاکہ یہ لوگ اہلبیت کے فضائل کو سمجھیں اور اپنے بعد ان کی پیروی اور اقتداء کریں اور ان سے متمسک ہو کر ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رہیں اور رسول اکرم ﷺ نے ان کا نام لیتے ہوئے اس بات کی تصریح بھی فرمائی کہ آگاہ ہو جاؤ میں نے ان کا نام تمہیں بتا دیا ہے کہیں گمراہ نہ ہونا اور ہر موقع محل پر نبی اکرم ﷺ ان کے فضائل امت تک پہنچاتے رہے اور ان کی مودت کو امت پر واجب کر دیا اور ان کو ایذا دینے سے منع فرمایا اس قدر تاکید و تصریحات اہلبیت کے بارے میں کی کہ جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن ان تمام باتوں سے بڑھ ''سلم لمن سالموا، وحرب لمن حاربوا'' جو ان سے امن میں رہے میری بھی ان سے امن و صلح ہے اور جو ان سے جنگ کرے میری بھی ان سے جنگ ہیں یہ فرمان انتہائی حیرت انگیز ہے اس لیے کہ اسوقت اہلبیت حالت جنگ میں نہ تھے البتہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ ان کے خلاف جنگیں کی جائیں گی۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنے موقف کو یہاں پر بیان کر دیا واقعاً انتہائی عجیب بات ہے کہ جب آپ علی، فاطمہ، حسن و حسین کو جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

أناسلم لمن سالمتم، وحرب لمن حاربتم

رسول اللہ ﷺ کی امانت

رسول اکرم ﷺ نے امت تک اہلبیت کی کرامت، فضیلت اور حرمت بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مبعث کی ابتداء سے لیکر آخر تک قول و فعل کے ذریعے اصحاب کے درمیان ازواج کے ہاں، مسجد میں، راستے میں، محفل میں، ہر جگہ اہلبیت کی فضیلت و عزت و تکریم کا اعلان کرتے رہے ان سے محبت کرنے پر وعدہ ان سے بغض پر جنگ کرنے پر تجدید کی انتہاء کر دی اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات قریب ہوئی آپ حالت احتضار میں تھے چاہا لوگوں پر اہلبیت کی شان ایسا واضح کر دوں کہ ان کے ذہنوں میں واضح ہو جائے خادم رسول انس بن مالک روایت کرتے ہیں فاطمہ آئیں آپ کے ساتھ حسن و حسین تھے وہ آپ پر گر پڑیں اور آپ کے سینے سے لگ گئیں اور رونا شروع کیا آپ نے فرمایا بیٹی مت رو، فاطمہ کو رونے سے منع کیا فاطمہ اٹھیں اور گھر چلی گئیں رسول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔[7]

یہ منظر انتہائی غمگیں تھا رسول سیدھے لیٹے ہوئے ہیں امت کچھ دنوں میں نبی سے جدا ہونے والی ہے ساتھ عالمین کی رحمت سے بھی محروم ہو رہے ہیں لیکن اہلبیت بابا نانا بھائی سے جدا ہونے والے ہیں فاطمہ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھنے والا ہے حسنین علیہم السلام نانا سے جدا ہونے کے قریب ہیں علی بھائی کو کھو رہے ہیں ایسے موقع پر بیٹی کا حالت احتضار میں موجود ہونا نا قابل بیان ہے ایسے موقع پر رسول وصیت کرنے کی بجائے خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں پروردگار میں اپنی اہلبیت کو ہر مومن کے پاس امانت رکھتا ہوں۔

---

7. مختصر تاریخ دمشق ۷۔ ۱۲

لیکن اس امانت کی حفاظت امت نے کیسے کی سیرت امام حسین علیہ السلام پڑھیں تو معلوم ہو جاتا ہے خود امام حسین علیہ السلام کے لیے رسول اکرم نے یہ فرمایا تھا زید بن ارقم نقل کرتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے سنا رسول فرما رہے تھے اے اللہ میں حسین علیہ السلام کو صالح مؤمنین کے پاس امانت رکھتا ہوں۔

اس حدیث کو زید بن ارقم نے اس وقت ذکر کیا جب ابن زیاد کے پاس امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک لایا گیا اور ابن زیاد نے چھڑی سے امام کے دندان مبارک کی بے حرمتی کرنا شروع کی تو زید بن ارقم کو یہ حدیث یاد آئی اور سوال شروع کر دیا یہ تم لوگوں نے رسول کی ذریت اور امانت کے ساتھ کیا کر دیا اور کس طرح اس کی حفاظت کی؟

لیکن یہ ابن ہند جو آل محمد کا سخت ترین دشمن تھا اس کے پاس اسلام کی تعلیمات اور مکارم اخلاق لایا گیا تو اس نے دین کو جڑ سے اکھاڑنے میں تمام تر مکر و فریب کو استعمال کر کے اس دین کے اصول و فروع پر ضربتیں لگائی اور اسلام کے نصرت کرنے والے اور اسلام کے روشن ستاروں کو بجھانے اور اس کی شریعت میں تحریف کرنے میں پوری قوت صرف کی جبکہ حسین نے آنکھ کھولتے ہی مسجد نبی سے علم لینا شروع کیا تھا اور آپ کے معلم اور استاد امین وحی آپ کے نانا رسول اللہ تھے۔

فضل

کوئی مسلمان اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ بنی ہاشم میں آل محمد سب سے زیادہ افضل واشرف ہیں آل محمد بنی ہاشم میں سے پاکیزہ نسب، پاکیزہ رحم اور بہترین حسب کے ساتھ وفاءدار اور نیک اور سب سے زیادہ متقی وپرہیز گار طبقہ ہے اس بات کی تصدیق دوست ودشمن اھل فضل وشرف سب کرتے ہیں۔

عمرو بن عاص بے دین جو آل محمد کو جانتے ہوئے بھی عمداً اس سے جنگ کرنے آیا اتنا سخت دل اور دشمنی رکھنے کے باوجود بعض حقائق بیان کرتا ہے جب وہ کعبہ کے پاس بیٹھا تھا اور کعبہ جس کو بتوں اور اس کی پرستش کرنے والوں سے حسین کے نانا نے پاک کر دیا تھا جب حسین ابن علی کو دیکھا تو کہا'' یہ حسینؑ ہے جو اہل آسمان والوں کیلئے سب سے زیادہ محبوب ہیں''

اس مکار کے ساتھ امیر شام اس حقیقت کے سامنے تسلیم نظر آتے ہیں کہ ایک دن حسن وحسین آئے تو ان کے لئے دو ہزار درھم دینے کا عزم کیا اور ساتھ یہ کہا یہ آپ دونوں کے لئے ہیں یہ ابن ہند کی طرف سے آپ دونوں کے لئے ہے اتنا نہ میں نے کسی کو دیا ہے نہ کسی کو دونگا۔

ان دشمنوں کے علاوہ آل محمد کی شرافت اور فضیلت مومنین نے بھی کثیر تعداد میں بیان کی ہے ابن عباس جو امیر المؤمنینؑ کا شاگرد ہے اور بیت رسالۃ اور امامت میں حسین کے ہمراہ رہے سن رسیدہ ہونے کے باوجود حسنین کی فضیلت اور جلالت وشرف کا معترف ہے روایت نقل ہوئی ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس کو حسن اور حسین کے گھوڑے کی رکاب تھامے ہوئے دیکھا میں نے اس سے کہا آپ سن رسید بزرگ ہیں ان دونوں کے نسبت

انہوں نے جواب دیا یہ رسول اللہ کے بیٹے ہیں آیا میری خوشبختی نہیں کہ میں ان دونوں کی رکاب تھاموں؟

ابو هریرہ نے نبی کی عمر کے اوا خر میں اسلام قبول کیا اور مسجد نبوی کے کنارے صفہ میں پیٹ پالنے بیٹھے رہتے تھے یہ دیکھتا تھا حسین صبح وشام زهرا اور نبی اکرم کے گھر میں آتے جاتے رہتے تھے اور رسول کے ساتھ تو کبھی محراب عبادت میں آجاتے تھے اور کبھی پشت مبارک پر سوار ہوجاتے تھے چناچنہ ابوہریرہ کادعوی یہ ہے کہ وہ رسول کے ساتھ زیادہ رہے اور زیادہ احادیث رسول سے سنی ہیں تو یقیناً حسنین کے فضائل بھی زیادہ سنے ہونگے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حسین چل نہ سکے اور زمین پر بیٹھ گئے ابو ہریرہ ان کے قدموں کی مٹی اپنے کپڑے سے جھاڑنے لگے امام حسین نے کہا اے ابو هریرہ آپ ایسا کررہے ہو؟ابوہریرہ نے کہا مجھے چھوڑو خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں لوگ بھی جان لیں تو آپ کو کندھوں پر اٹھا لیں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ابو هریرہ نےآخر کیوں جو جانتا تھا لوگوں کو اس کی تعلیم نہیں دی اگر لوگ جان لیتے تو شاید ان کی جہالت انہیں حسین کے سر مبارک کو نوک نیزا پر بلند کرنے کی حدتک نہ لے جاتی۔اور کیوں ابو ہریرہ جو کچھ جانتے تھے اس کی مخالفت کرتے ہوئے نسل امیہ کے دسترخوان پر بیٹھے رہے۔

قیادت

تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی دور امامت میں اسلام اور اسلام کے اصول وقواعد کی حفاظت میں بڑا کردار اداکیاہے اور اپنی عظیم قربانی

کے ذریعے بنی امیہ اسلام دشمن تمام سازشوں اورمکروفریب کوناکارہ کردیااور نسل امیہ کی اسلام دشمنی کفر و منافقت کودنیا کے سامنے عیاں کردیا اور اسلام اور طاغوتی قوتوں کے بیچ ایک مضبوط دیوار کھڑی کردی تاکہ قیامت تک اسلام کے وجود کومٹانے کا سوچ نہ سکے بے شک حسین کی اس قربانی کو قیامت تک یاد رکھا جائے گا جب تک اسلام کا نام باقی ہےیہیں سے نبی اکرمؐ کے اس قول کاکی تصدیق ہوجاتی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا میں حسین سے ہوں،اوراسی سے حسین کی قیادت کی اہلیت کااندازہ ہوتاہے۔

برکاتاور معجزات

نبی اکرمؐ کی زندگی میں بہت سارے معجزات کاذکر ملتاہے ان میں ایک یہ ہے کہ ایک کنواں بالکل خشک ہوگیا تھا نبی اکرمؐ کی برکت سے وہ دوبارہ صاف وشفاف اور میٹھے پانی سےپر ہوگیا اور خلق کثیر اس کنواں سے مستفید ہوتے رہے اور حسین اسی نبی رحمت کابیٹا اور اس کا حصہ دار ہے بلکہ نبی کی زندگی کاخلاصہ ہے اورکردار و گفتار میں شکل وشمائل میں رسول جیسے ہیں ان کے بھی معجزات ہیں شیعوں کے ہاں امامت اور نبوت میں سووائے وحی اورتشریع کے کوئی فرق نہیں امامت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسی رسالت سماویہ کاایک تسلسل ہے پس اس میں کوئی حیرت و تعجب والی بات نہیں کہ معجزہ کا مقصد اور ہدف لوگوں کو نبی کے لائے ہوے دین پر قانع کرنا ہے اور تم بھی اسی بات کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کی طرف رسول دعوت رہے تو پھر کس مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے

اگران ائمہ علیہم السلام کی بھی مدد اس چیز کے زریعے کی جائے جس سے نبی کی مدد کی تھی بہر حال امام حسینؑ مدینہ سے مکہ جانے کے قصد سے نکلے ابن مطیع کے پاس سے گزرے وہ ایک کنواں کھود رہا تھا امام اور ابن مطیع کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی پھر ابن مطیع نے آخر میں امام سے کہا میں نے یہ کنوں کھودا ہے آج کے دن ڈول میں کچھ پانی نکل آیا ہے اگر آپ دعا کریں تو ہمارے لئے اس کنویں میں برکت آئے گی امامؑ نے کہا اس کے پانی میں سے کچھ لے آؤ جب اس کا پانی لایا گیا تو آپ نے اس سے کچھ پیا اور باقی کنویں میں ڈال دیا جس سے کنویں کا پانی میٹھا اور زیادہ ہوگیا۔

یہ حسین بھی فیض وکرم کا سرچشمہ ہے لیکن راہ کربلا میں پانی سے مربوط واقعات کا پیش آنا غیبی اشارہ ہے کہ آگے جاکر حسین کو پانی سے روکا جائے گا اور پیاسا شہید کیا جائے گا یہی وجہ ہے پیاس اور پانی کا واقعہ کربلا سے گہرا تعلق ہے حسین کی زندگی میں حج کی اہمیتاہل بیت کے ہاں حج کو ایک امتیازی حیثیت اور عظیم مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ کعبہ کے محور دین ہونے پر انتہائی تاکید فرماتے تھے اور کعبہ کو اسلام اور مسلمانوں کا مرکز نقطہ اجتماع ہونے کی وجہ سے بہت تعظیم اوراحترام کرتے تھے آیات کریمہ کی دلالت اور مومنین کے دلوں کا کعبہ کی طرف والہانہ متوجہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حج میں خلوص نیت اور امت اسلامی کی صفوں میں اتحاد واتفاق اور اہداف اسلام پر اتحاد حج ہے اور اہل بیت علیہم السلام اپنے افعال اوراقوال کے ذریعے انہیں اہداف پر تاکید کرتے تھے

اور کثرت سے حج کے لئے جاتے تھے حسینؑ کے حالات زندگی میں یہ بات آئی ہے کہ آپ نے پچیس حج پیادہ کئے جب کہ سواری آپ کے ساتھ اور سواری کو چلانے والے آپ کے پیچھے ہوتے تھے۔

اتنی بار سوار ہوتے ہوئے پیدل جانا یہ حج کی تعظیم اور احترام کی انتہاء ہے اور اس سے بڑھ کر کعبہ کا احترام تعظیم یہ ہے کہ وہ کعبہ کے اطراف میں اور داخل حرم مکہ اور مدینہ میں کسی قسم کے خون خرابے اور دشمنوں کے ہاتھوں ان کی ہتک حرمت ہونے نہیں دیتے تھے اسی وجہ سے امام علی ع نے حجاز کو چھوڑا اسی طرح امام حسین مدینہ سے مکہ پھر مکہ سے کربلا کی طرف اسی لئے گئے تاکہ ان دونوں حرمین کی عزت باقی رہے ان کی ہتک حرمت نہ ہو اس طرح ہر زمانے میں جابر ظالم حکمرانوں کے خلاف قیام کرنے والے علویین حرمین کی حدود سے باہر نکل گئے ان کی حرمت کی رعایت کرتے ہوئے اوران دونوں کی عزت و شرف کالحاظ کرتے ہوئے۔

خاندان نبوت ،خاندان علوی ان دونوں کی عزت وشرف کی حفاظت نہ کرتے تو کون ان دونوں کی حرمت کی پاسداری کرتا ؟دشمن نے تو نبیؐ کی اہل بیت کی عزت و حرمت پائمال کردی تھی ان کے لئے مسجد نبی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس لئے حسین ابن علی مکہ سے حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے کربلا کی طرف نکل گئے کہ کہیں دشمن ان کے قتل کے ذریعے اس مقدس گھر کی بے حرمتی نہ کرے اس لئے یزید نے حجاج کے لباس میں امام کوپکڑنے کے لئے لوگ بھیجے تھے

جو ہر حال میں امام کو گرفتار کرکے قتل کرنا چاہتے تھے اگرچہ امام کعبہ کے پردوں کے ساتھ معلق ہی کیوں نہ ہوں اس لئے امامؑ احترام کعبہ اور حرمت کعبہ کی حفاظت کرتے ہوئے مکہ سے نکلے اور مکہ سے نکلتے وقت صراحت کے ساتھ ابن عباس کو یہ بتادیا کہ وہ حرمت کعبہ کی وجہ سے جارہے ہیں فرمایا‘‘فلاں فلاں جگہ یہ قتل ہونامیرے لیے زیادہ پسند ہے اس سے کہ کعبہ کی حرمت پائمال ہوجائے اسی طرح امامؑ نے دیگر مقامات پر بھی صراحتاً فرمایا کہ یہ لوگ ہر حال میں مجھے قتل کریں گے لہذا مجھ سے زیادہ حقدار کون ہے جوان کی عزت وحرمت کی پاسداری کرے۔

لہٰذا آپؑ نے مکہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا لیکن منیٰ کے میدان میں حجاج کے جم غفیر کے سامنے ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا یہ دوجہتوں سے یہ خطبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

۱۔ایک یہ کہ یہ اجتماع بہت بڑا تھا اوراس اجتماع کے اندر امت اسلامی کی مشہور اورمعروف شخصیات اورصاحبان حیثیت افراد موجود تھے۔

۲۔دوسرا اس عظیم اجتماع میں امت کے صاحب الرائے اور ایسی شخصیات موجود تھیں جو امت کے حوالے سے اپنی رائے ظاہر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور اس اجتماع میں امت کے حل و عقد اور تمام طبقے کے لوگوں کے علاوہ سن رسیدہ جوان بچے خواتین غلام کنیز وغیرہ بھی موجود تھے۔

یہ خطبہ زمان اور مکان کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے وہ وقت جس وقت حجاج مناسک حج اداکرتے ہیں اللہ کے حضور اپنی قربانیاں پیش کرنے میں مصروف ہیں اور عیدالاضحیٰ جو عید اکبر ہے منارہیں ایسے میں حسین اپنے خاندان کے ساتھ حج کو عمرہ میں تبدیل کرکےاس سے بڑی عظیم قربان دینے کربلا کارخ کررہے ہیں اور مکان خطبہ میں ایسی جگہ جو حرم کاایک جزء ہیں اور اتنی وسیع وعریض جگہ جہاں پر امام کی آواز لوگوں تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے۔

ایسے موقع پر امامؑ اپنے موقف کااظہار کرتے ہوئے شرکا کے اجتماع کو اسلامی سیاست میں درآنے والے بگاڑ اس کے نتیجہ میں پیداہونے والی بدعتوں شریعت کی توقیر اورمسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی جانب متوجہ کرتے ہیں اوراس سلسلے میں انہیں ان کی غفلت اورکوتاہی سے آگاہ کرتے ہیں اور انہیں ان کا فرئضہ یا د دلاتے ہیں۔اورامت کے درمیان اہل بیت کامقام اورحیثیت کوبیان فرماتے ہیں حمد وثنا کے بعد آپ سامعین سے سوال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''اس ظالم(یعنی معاویہ)نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جوکچھ کیااسکو تم لوگ نے دیکھا ہے اورجانتے بھی ہواور گواہ بھی ہو اب میں تم لوگوں سے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھتا ہوں،اگر میں سچا ہوں تو میری تصدیق کرو اگر میں سچا نہیں تو تصدیق نہ کرو۔میری بات کو سنواور لکھو اوراپنے شہروں اور قبیلوں میں واپس جاؤ توتم میں سے جو ایمان لانے میں باوثوق ہے وہ لوگوں کو ہمارے

حق کی طرف دعوت دے اس لئے کہ مجھے ڈر ہیں کہ یہ امت کہیں ختم نہ ہو پھر آپ نے فرمایا تمیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیاتم نہیں جانتے ہو کہ جب رسول اللہؐ نے اصحاب کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیاتواس وقت آنحضرتؐ نے علی کو اپنا بھائی قرار دیاتھا اور فرمایاتھامیں تمہارا بھائی ہوں دنیاوآخرت میں اورتم میرے۔سب نے جواب دیا ہم گواہی دیتے ہیں ایسا ہی تھا۔

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول نے اپنی مسجد اور اپنے گھروں کے لئے جگہ خریدی پھرمسجد تعمیر کی اور اس میں دس گھر بنائے نوگھر اپنے لئے اور دسواں وسط میں میرے والد کے لئے رکھا۔پھر میرے والد کےدروازے کے سوا مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بندکروادیئے/اور جب اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کیا تو فرمایا میں نے تمہارے دروازے بند کئے اور علی کادروازہ کھلا رکھا اس لیے کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے دروازے بندکروں اوراس کادروازہ کھلا رکھوں اس کے بعد نبی اکرم نے علی کے سواء تمام افراد کو مسجد میں سونے سے منع فرمایا چونکہ علی کا حجرہ مسجد میں رسول اللہ کے حجرہ کے ساتھ ہی تھا۔

نبیؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ پاک وپاکیزہ مسجد بناؤں لہٰذا میرے اور میرے بھائی علی اور ان کی اولاد کے سوا کوئی اور شخص مسجد میں نہیں رہ سکتا۔سامعین نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے فرمایا۔کیاتمہیں معلوم ہے کہ رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن علی کو مقام ولایت پر فائز کرنے کااعلان فرمایا اور

کہا یہاں حاضر لوگ اس واقعہ کی اطلاع یہاں غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں؟سب نے کہا ہاں ایسا ہی فرمایا تھا۔

فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے رسول اللہؐ نے غزوہ تبوک کے موقع پر علیؑ سے فرمایا تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسی کےلئے ہارون اور فرمایا میرے بعد تمام مومنوں کے ولی اور سرپرست ہوگے سب نے کہا ہاں ایسا ہی فرمایا تھا۔

فرمایا: جب رسول اللہ نے نجران کے عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دی تو اپنے ساتھ علی ان کی زوجہ اوران کے دوبیٹوں کے علاوہ کسی اور کونہیں لے کر گئے ؟کہا ہاں ایساہی ہواتھا۔

فرمایا: کیاتم جانتے ہو کہ رسول اللہؐ نے جنگ خیبر کے دن لشکر اسلام کا پرچم حضرت علی کے سپرد کیا اورفرمایا میں پرچم اس کے حوالے کررہاہوں جس سے اللہ اور اس کارسول محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ اوراس کے رسول سے محبت کرتاہے اور وہ ایسا حملہ کرنےوالا ہے کہ کبھی پلٹتا نہیں وہ کرارہے غیر فرار ہے خدا قلعہ خیبر کو اس کے ہاتھوں فتح کرائے گا

سامعین نے کہا یقینا ایسا ہی کیا۔

فرمایا: کیاتمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے علی کو سورۃ برائت دے کر بھیجا اور فرمایا کہ میرا پیغام پہنچانے کا کام میرے یا ایسے شخص کے علاوہ جو مجھ سے ہو کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا سب نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔

فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہؐ کو جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تھی توآنحضرتؐ علیؑ پر اپنے خاص اعتماد کی وجہ سے انہیں آگے بھیجتے تھے اور کبھی

انہیں ان کے نام سے نہیں پکارتے تھے بلکہ اے میرے بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے سامعین نے کہا ایسا ہی ہے۔

فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ نے علی اورزید کے درمیان فیصلہ سناتے وقت فرمایا: اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اورمیرے بعد تم تمام مومنوں کے ولی اور سرپرست ہوں گے۔ سب نے کہا ایسا ہی ہے۔

فرمایا:کیاتم جانتے ہو حضرت علی ہر روز شب تنہائی میں رسول سے ملاقات کرتے تھے اگر علیؑ سوال کرتے تونبی اکرم اس کا جواب دیتے اور اگر علی خاموش رہتے تو نبی خود سے گفتگو کاآغاز کرتے؟سب نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے۔

فرمایا :کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہؐ نے اس موقع پر حضرت علیؑ کو جعفر طیار اورحمزہ سید الشہداء پر فضیلت دی اورحضرت فاطمہ سے مخاطب ہوکرفرمایا: ''میں نےاپنے خاندان کے بہترین شخص سے تمہاری شادی کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لانے والا سب سے زیادہ حلیم وبردبار اور سب سے بڑھ کر علم وفضل کا مالک ہے۔۔سب نے کہا ایسا ہی ہے۔

فرمایا: کیاتم جانتے ہو کہ رسول خداؐ نے فرمایا میں تمام اولاد آدم کا سید وسردار ہوں میرا بھائی علی عربوں کا سردار ہے فاطمہ تمام اہل جنت کی خواتین کی رہبر ہیں اور میرے بیٹےحسن وحسین ع جوانان جنت کے سردار ہیں۔سامعین نے کہا آپ نے سچ فرمایا ایسا ہی ہے۔

فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ ان کے جسد اقدس کو غسل دیں اور فرمایا کہ جبرائیل اس کام میں اس کے معاون ومددگار ہونگے۔ سب نے کہا ہاں یابن رسول اللہ ایسا ہی ہے۔
فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا میں تمہارے درمیاں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہاہوں اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو تاکہ گمراہ نہ ہوجاؤ۔ تمام سامعین نے کہا سچ فرمایا ایسا ہی ہے۔

پھر فرمایا: اے وہ گروہ جو علم فضل کے لئے مشہور ہے جس کا ذکر نیکی اور بھلائی کے ساتھ کیا جاتاہے وعظ ونصیحت کے سلسلے میں آپ کی شہرت ہے یہاں تک کہ طاقتور خائف نہیں ہے اور ضعیف وناتواں آپ کااحترام کرتے ہیں حتی کہ وہ شخص بھی خود پر آپ کو ترجیح دیتاہے جس کے مقابلے میں آپ کو کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی آپ اس پر قدرت رکھتے ہیں ،جب حاجت مندون کے سوال ردہوجاتے ہیں تو اس وقت آپ ہی کی سفارش کارآمد ہوتی ہے گلی کوچوں میں آپ کا گزر بادشاہوں کے سے جلال اور ایمان واشراف کی سی عظمت کے ساتھ ہوتا ہے یہ سب عزت واحترام صرف اس لئے ہے کہ آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ ابھی احکام کا اجراء کریں گے اگرچہ اس سلسلے میں آپ کی کوتاہیاں بہت زیادہ ہیں آپ نے امت کے حقوق کو نظر انداز کر دیاہے معاشرے کے بےبس اور کمزور افراد کے حق کو ضائع کردیاہے۔

اس کے باوجود آپ جنت میں رسول اللہؐ کی ہم نشینی اوراللہ کے عذاب سے اماں کے متمنی ہیں حالانکہ مجھے تو یہ خوف ہے کہیں اللہ کاعذاب آپ پر نازل نہ ہو کیونکہ اللہ کی عزت وعظمت کے سائے میں آپ اس بلند مقام پ رپہنچے ہیں جبکہ آپ خود ان لوگوں کااحترام نہیں کرتے جو معرفت خدا کےلئے مشہور ہیں جبکہ آپ کو اللہ کی وجہ سے عزت واحترام کی نظر سے دیکھاجائے گا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو توڑا جارہاہے اس کے باوجود آپ خوفزدہ نہیں ہوتے اس کے برخلاف اپنے آباء واجداد کے بعض عہد وپیمان ٹوٹتے دیکھ کر آپ لرز اٹھتے ہیں جبکہ رسول اللہؐ کے عہد وپیمان نظر انداز ہورہے ہیں اورکوئی پرواہ ہیں کی جارہی۔اندھے ،گونگے اور اپاہج شہروں میں اور بےوارث پڑےہیں اور ان پر کوئی رحم نہیں کرتا آپ لوگ نہ تو خود اپنا کردار ادا کررہے ہیں اور نہ ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں آپ لوگوں نے خود شاہد اور چاپلوسی کے ذریعے اپنے آپ کو ظالموں کے ظلم سے بچایا ہوا ہے جبکہ خدا نے اس سے منع کیاہے اورایک دوسرے کو بھی منع کرنے کےلئے کہا ہے آپ ان تمام احکام کو نظرانداز کئے ہوئے ہیں آپ پر آنے والی مصیبت دوسرے لوگوں پر آنے والی مصبیت سے کہیں بڑی مصبیت ہے۔

اس سے مراد وہ عہد وپیمان ہیں جو ولایت اور جانشینی کےلئے غدیر خم کے موقع پر رسول اللہؐ سے کئے گئے تھے آپ اللہ کے حلال وحرا م کے امانتدار ہیں اور اس مقام ومنزلت کے چھیں لئے جانے کا سبب یہ ہے کہ آپ حق سے

دور ہوگئے ہیں اور واضح دلائل کے باوجود سنت کے بارے میں اختلاف کاشکار ہیں۔اگر آپ اذیت وآزاد جھیلنے اور اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتے تو احکام الہی (اجراکے لئے)آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے اور(معاملات میں)آپ ہی کیطرف رجوع کیاجاتا لیکن آپ نے ظالموں اورجابروں کویہ موقع دیاکہ وہ آپ سے یہ مقام ومنزلت چھین لیں اوراللہ کے حکم سے چلنے والے امور اپنے کنڑول میں لےلیں تاکہ اپنے اندازوں اور وہم وخیال کے مطابق فیصلے کریں اوراپنی نفسانی خواہشات کو پورا کریں وہ حکومت پر قابض ہونے میں اس لئے کامیاب ہوئے کیونکہ آپ موت سے ڈرکربھاگنے والے تھے اور اس عارضی دنیا کی محبت میں گرفتار تھے پھر آپ کی یہ کمزوریاں بنیں کہ ضعیف اورکمزور لوگ ان کے چنگل میں پھنس گئے اورکچھ غلاموں کی طرح ہو گئے آج حکام اپنی حکومتوں میں خود سری آمریت اور استبداد کامظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں ذلت وخواری کا سبب بنتے ہیں بدقماش افراد کی پیروی کرتے ہیں اور پروردگار کے مقابلے میں گستاخی دکھاتے ہیں۔

ہر شہر میں ان کا ایک ماہر خطیب منبر پر بیٹھا ہے زمین میں ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ان کے ہاتھ کھلے ہوے ہیں یہ عوام کے غلام بن گئے ہیں اپنے دفاع سے عاجز ہیں حکام میں سے کوئی حاکم مانتا ہے نہ خدا کو مانتے ہیں نہ روز جزاء کو۔

تعجب ہے اور کیوں نہ تعجب ہو ملک ایک وجود کے ستم کار ہاتھ میں ہے اس کا مالیاتی عہدیدار اور ظالم اور صوبوں میں اسکے گورنر مومنوں کے لئے سنگ دل اور بے رحم ہیں اللہ ہی ان ماور کے بارے میں فیصلہ کرے گا جن کے بارے میں ہمارے اور ان کے درمیان نزاع ہے اور وہی ہمارے اوران کے درمیان پیش آنے والے اختلاف پر اپنا حکم صادر کرے۔

بار الہا! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہماری جانب سے ہووہ نہ تو حصول اقتدار کی رسہ کشی ہے اور نہ ہی مال دنیا کی طلبی کے لیےہے بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تیر ے دین کی نشانیوں کو آشکا کردیں اور تیری مملکت میں اصلاح کریں ۔ تیرے مظلوم بندوں کو امان ہو اور جو فرائض قوانین اوراحکام تونے معین کیے ہیں ان پر عمل ہو۔ اب اگر آپ حضرات و حاضرین نے ہماری مدد نہ کی اور ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا توظالم آپ پرچھا جائیں گے اور یہ نورحق کو بجھانے میں اور زیادہ فعال ہوجائیں گے ہمارے لئے تو بس خدا کافی ہے اسی پر ہم نے بھروسہ کیاہے اوراس کی طرف ہماری توجہ ہے اور اسی کی جانب پلٹنا ہے۔

تیسرا باب

کربلاء میں امام حسین علیہ السلام کی سیرت

۲۶۔ اوائل تحریک یا تحریک کا آغاز

۲۷۔ راستے کی رکاوٹیں و مشکلات

۲۸۔ غیبی خبریں

۲۹۔ اصحاب باوفا

۳۰۔ یوم عاشوراء

نہضت کربلا کے اوائل

امام حسین علیہ السلام نے امیر شام کے منصوبوں کے خلاف جو آخری موقف کو اپنایا اس موقف امیر شام مخالف تحریک کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔

باوجودیکہ امام حسین علیہ السلام نے کسی ایک کی بھی بات جو امیر شام کو اس کے منصب سے معزول کرنے کی دعوت تھی قبول نہیں فرمائی، اور اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کے اس معاھدے اور توثیق کو وسعت دی، چونکہ امام علیہ السلام نے امیر شام کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کر دیئے تھے ہاں تک کہ امیر شام نے اس عہد نامہ کو توڑا اور اکثر شوحس کی مخالفت کر دی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے امیر شام سے بغیر استحقاق کے یزید کو اپنے بعد ولی عہد نامزد کرنے کے خلاف مطالبہ کیا اور امیر شام نے لوگوں سے جبرا یزید کے لیئے بیعت مانگی، چونکہ یہ اس صلح نامہ کے شورں میں سے ایک شرط کی واضح خلاف ورزی تھی۔ جبکہ امیر شام کا اپنے بعد یزید کو ولی عہد نامزد کرنا ایک ایسی بدعت تھی جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی ہے۔

پھر یزید اپنے آپ کو بذات خود اس حساس اور اہم منصب کا اھل نہیں سمجھتا تھا بلکہ وہ شراب خوری، جوئے بازی اور فسق وفجور کا عمل علی اعلان انجام دینے میں معروف تھا۔

اس کی اسلام سے یہی دوریاں امام حسین علیہ السلام کے لیئے بنیادی موقف اختیار کرنے کے لیئے مدومدگار ثابت ہوئیں اور تحریک کربلا کا آغاز یہیں سے جیسا کہ راوی حضرات ایک دوسروں کو نقل کیا کرتے تھے۔ پس فرمایا:

لما بايع معاويةبنابيسفيانالناسليزيدابنمعاويه
كانحسينبنعليبنابيطالبممنلميبايعله[8]

جب امیر شام نے لوگوں سے یزید کے لیئے بیعت لی تو حضرت اما محسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کیا ور حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہداف امیر شام کے لیئے واضح تھے حتیٰ کہ مروان اور ان لوگوں کے لیئے بھی جو خوف زدہ تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے خدشات اور گمانوں کو علی اعلان واضح کیا کہ امام حسین علیہ السلام ایک تحریک چلانے کا سوچ رہے ہیں، جس کا نام "نزوہ" یا "مرصدا للفتنه" "فتنہ کے خلاف گھات" کہا گیا اور اس سے ملتے جلتے نام دیئے گئے۔ لیکن انہوں نے اس تحریک کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھایا اس خیال سے کہ شاید امیر شام اپنے مخصوص طریقہ حیلہ و مکر سے اس تحریک کو اپنے حق میں تبدیل کریں گے، مگر حالات کی سرعت اور موت نے اسے مہلت نہیں دی۔

جب امیر شام سنہ ساٹھ نصف رجب کی رات کو وفات پاچکا تو لوگوں نے یزید کی بیعت کی، اور یزید نے عبداللہ ابن عمرابن اویس العامری کے ہاتھوں ولید ابن عتبہ ابن ابی سفیان جو کہ مدینے میں موجود تھا کو لکھا کہ لوگوں کو بیعت کی دعوت دو، اور لوگوں سے اس کے لیئے بیعت لو، اور بیعت کی ابتدا سر براہان و وجوہان قریش سے کرو، اور ساتھ حکم دیا کہ ان میں سے بھی بیعت حسین ابن علی ابن ابیطالب ع طلب کرو۔۔۔

پس یزید نے ولید ابن عتبہ کو آدھی رات کو امام حسین ع کے پاس بھجاو۔

---

8. مختصر تاریخ دمشق، ابن منظور

بتحقیق یزید کاامام حسین علیہ السلام سے بیعت کا سب سے پہلے لینے پر تا کید و اہتمام کرنا،اور والی کا بیعت کے معاملے میں اس قدر عجلت پسندی سے کام لینا سوائے امام علیہ السلام کے حق پر شب خون مارنے اور قصر کے لوگوں کے تدبر اور ان کی جانب سے امام علیہ السلام کو مشکلات سے دوچار کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔پس امام حسین علیہ السلام کے لیئے سزاوار تھا کہ اس معاملہ کی جانچ پڑتال کرتے۔لہٰذا جب امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ ہوا تو امام علیہ السلام نے اسے رد کر دیا اور امام علیہ السلام نے ولید سے فرمایا:

ہم رات گزاریں گے اور دیکھیں گے کہ صبح لوگ کیا کرتے ہیں اور پس وہ کھڑا ہوا اور نکلا۔جیسا کہ نفس حدیث سابق میں آیا ہے۔

ابتدا میں ولید نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت کے معاملے میں شدت سے کام نہیں لیا یا اسے امام حسین علیہ السلام سے اس طرح کے موقف اختیار کرنے کی توقع نہ تھی ،کیونکہ جب اس نے امام حسین علیہ السلام سے سخت گیری کی تو امام کے بارے میں ولید نے کہا کہ

اباعبداللہ علیہ السلام نے شیر کی مانند ہماری تحقیر کی۔

لیکن حقیقت یہی تھی کہ امیر شام اس حقیقت کو اپنی زندگی میں جان چکا تھا اور اس کو چھوڑا تھا اگرچہ ولید نے آج اس حقیقت کو پہچان لیا۔

و خرج الحسين من ليلته إلى مكة، و أصبح الناس ،وغدوا إلى البيعة ليزيد،و طلب الحسين فلم يوجد!۔

اور امام حسین علیہ السلام رات کی تاریکی میں مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور لوگوں نے صبح کی اور یزید کی بیعت کی پس جب امام حسین علیہ السلام کو بیعت کے لیئے طلب کیا گیا تو آپ ع وہاں نہیں پائے گے۔

اس طرح امام حسین علیہ السلام نے والی مدینہ سے اپنی جان چھڑائی اور وہاں مروان ابن الحکم جو سخت ترین دشمن آل محمد جو اس رات وہ وہاں موجود تھا جو والی مدینہ کو بیعت نہ کرنے کی صورت میں امام حسین علیہ السلام کو قتل پر ابھارتا اور ورغلاتا تھا۔

امام حسین علیہ السلام مکہ کی جانب نکلے جو ان حالات میں دور ترین جگہ تھی۔ جہاں پر حج کے موسم قریب ہونے کی وجہ سے عنقریب حجاج کرام کی بھڑا لگنے والی تھی، اور یہ بنیادی طور پر وسیع و عریض سطح پر اس مبارک تحریک کو موثر انداز میں آگے بڑھانے کا بہترین موقع و مناسب جگہ تھی۔

راستے کی مشکلات ورکاوٹیں

کوئی شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا مسئلہ بیعت سے خاموشی سے مدینہ جا کے چھٹکارہ پانے پہ نہ حکومت راضی تھی اور نہ حکومتی مشینری۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلامکو ان کے موقف سے روکنے کے لیئے مکہ کے راستے اور حجاج کی بھڑا میں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔اور یہ بات بعض مصادر میں آئی ہے۔

بتحقیق یزید امام حسین علیہ السلام کو مخفیانہ قتل کروانا چاہتا تھا خواہ امام ع کعبہ کے غلاف کے پیچھے ہی کیوں نہ ہوتے۔

اور یہ بہت بعید تھا کہ امام حسین علیہ السلام حرم کے احاطے میں حکومتی اسلحہ برداروں سے آمنا سامنا کرتے، اور یہی چیز امام حسین علیہ السلام نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی بیعت کرنا چاہتے تھے جیسے کہ سابقہ فقرہ میں جانا، پس امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے خروج کرنے کا عزم کیا۔

پس امام ع سنہ ساٹھ ہجری دس ذی الحج بروز پیر عراق کی جانب اپنے اھل و عیال اور کوفہ کے ساٹھ ۶۰ بزرگوں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

پس ضروری تھا کہ حکومتی کارندے امام حسین علیہ السلام کا پیچھا کریں اور آپ کی حرکات و سکنات پر نظر رکھے تا کہ اس سے امام حسین علیہ السلام کا جو ارادہ تھا اس سے روکیں، خاص طور سے عراق کے منطقہ کوفہ جانے سے، جو اھل شام کے نزدیک شیعیان امام علی علیہ السلام کی زمیں سمجھی جاتی تھی۔ پس جب امام حسین علیہ السلام نے ان کو پیچھے چھوڑ دیا تو ضروری ہوا کہ امام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جائیں تا کہ امام علیہ السلام عراق کی جانب نہ جائیں اور واپس ہوں۔

قابل ملاحظہ نکتہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو عراق میں راستے بہت سارے مشورہ دینے والے تھے کہ امام علیہ السلام کو عراق نہ جانے کا مشورہ دیتے تھے اور وہ سب اس ایک نکتے پر متفق تھے کہ اھل عراق نے آپ کے والد محترم کو قتل کیا اور آپ کے بھائی کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔

عجیب بات یہ تھی کہ ان نصیحت کرنے والوں میں، قریبی، اجنبی، بوڑھے، جوان، مرد و زن، صحابی و تابعی حتی کہ دوست و دشمن سب شامل تھے۔

دوسری جانب امام حسین علیہ السلام کے جوابات ایک حقیقت کے ساتھ ہر ایک کے لیے مختلف تھے، لیکن بعض کو جواب دینے سے سکوت اختیار کیے۔ امااس مسئلے کی تفاصیل آپ کے سامنے ہیں۔

ابو سعید خدری آپ ع کی خدمت میں آئے اور کہا:

اے اباعبداللہ! میں آپ کو نصیحت کرتاہوں کیونکہ میں آپ کا ہمدرد ہوں، کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کی قوم نے آپ کو کوفہ سے خطوط لکھے ہیں،اور آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی ہے، پس آپ کوفہ نہ جایئے، کیونکہ میں نے آپ کے بابا (علی علیہ السلام) سے سناہے کہ وہ کوفہ میں فرماتے تھے: خدا کی قسم: میں ان لوگوں سے بیزار ہواہوں اوران سے نفرت کرتاہوں اور وہ مجھ سے تھک چکے ہیں اور مجھے ناپسند کرتے ہیں،اور میں نے ان کو آزمائش میں وفادار نہیں پایا،اور جوانکے بھروسہ پر کامیابی حاصل کرناچاہے تووہ سخت نقصان دینے والے تیروں سے کامیاب ہوگا۔ خدا کی قسم ان کا کوئی اعتبار نہیں،اور وہ نہ کسی امر کا عزم رکھتے ہیں اور نہ ہی تلوار پر صبر کرتے ہیں۔

اورامام حسین علیہ السلامسے اس بزرگ صحابی کی نصیت کاجواب کسی نے ذکر نہیں کیاہے شاید امام حسین علیہ السلام نے اس کے سن رسیدہ ہونے کے احترام میں چشم پوشی کی ہو یا ممکن ہے اس صحابی کے معاملات میں عدم تعلق کی وجہ سے تعجب کرتے ہوئے جواب نہ دیاہو، اوراسلام جس مشکل سے دوچار ہے اسے اس کی فکرنہ ہونےاورامام حسین علیہ السلام کی سلامتی کی نسبت کس قدر اسلام کو خطرہ لاحق تھااسے اس کا احساس نہ تھا۔

عبداللہ ابن عیاش بن ابی ربیعہ نے فرمایا:

اے فاطمہ کے بیٹے! کہاں کا ارادہ ہے؟

بتحقیق میں، آپ کے اس اقدام کو ناپسند کرتا ہوں۔ اور آپ ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جس نے آپ کے بابا کو قتل کیا اور آپ کے بھائی کو طعنہ دیتے تھے یہاں تک کہ انہیں سخت ناپسندیدگی اور نفرت کر کے چھوڑ دیا۔ پس میں اللہ کے لیے یاد دلاتا ہوں کہ اپنے آپ کو دکھوں میں نہ ڈالو۔

اور امام کا جواب یہاں پر بھی کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ابو واقد اللیثی نے فرمایا:

جب مجھے امام حسین علیہ السلام کے خروج کی خبر پہنچی تو میں انہیں دکھی حالت میں ملا، اور ہدایت کی کہ اللہ کے لیئے یہاں سے نہ نکلے کیونکہ آپ کا بغیر وجہ کے نکلنا اپنے آپ کو قتل کروانا ہے۔

اور امام حسین علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نہیں پلٹ سکتا۔؛

مسور بن مخرمہ نے لکھا:

آپ کو اہل عراق کے خطوط کے دھوکے سے بچنا چاہیئے۔ اپنے اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جائیں، عراقیوں کو اگر آپ سے کسی چیز کی حاجت ہے تو عنقریب اونٹوں کو ایڑ لگا کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے یہاں تک آپ ان کی احتیاج پوری کریں، پس آپ پوری قوت اور دبدبہ کے ساتھ نکلیں۔

مسور بن مخرمہ امام حسین علیہ السلام کے خروج کے اسباب اور بنیادی عوامل سے آگاہ تھے اور یہ خط مزید امام حسین علیہ السلام سے ارتباط اور امام حسین علیہ السلام نہضت میں تدخل پر دلالت کرتے ہیں، چونکہ امام کے مقام و منزلت سے عدم آشنائی کی بدولت اس قدر سخت لہجے میں امام علیہ السلام کو تھدید کیا اور اس کی کوئی بری نیت نہ ہونے کی وجہ سے ہی عراقیوں کے اہل غدر و خیانت ہونے کی بات کی اور امام کو تکلیف سے نکالنے کے لیئے تجویز دی کہ اہل عراق امام حسین علیہ السلام کو ترک کریں گے، اور اس قضیہ کے تمام جوانب کو سمجھنے کے بعد ایک مشفقانہ و ہمدردانہ نصیحت تھی، اگرچہ مسور پر اس کی اصل حقیقت اور لب لباب مخفی تھا۔

اس لیے امام حسین علیہ السلامنے اس کو جواب بہت نرم لہجے میں دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔:

پس اس کو اللہ اچھا صلہ عطا کرے، اور فرمایا اور میں اللہ سے اس ہیں خیر کا طلب گار ہوں۔

عمرہ بنت عبد الرحمن نے خط لکھا:

امام حسین علیہ السلام کی اس تحریک کو بہت بڑا گردانا اور ساتھ حکم دیا کہ اس جماعت کی اطاعت و متابعت کو لازمی قرار دیا، اور خبر دی کہ یہ امام علیہ السلام کے لیئے باعث ہلاکت ہو گا اور کہا:

میں گواہی دیتی ہوں کہ عائشہ نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ، امام حسین علیہ السلام کو بابل کی سرزمین میں قتل کر دیا جائے گا۔۔

اس خاتون کااس معاملہ میں دخل اندازی دینابہت ہی قابل تعجب ہے، درحالانکہ اس سے مقام ومنزلت، علم ومعرفت میں بالاترخواتین موجود تھیں۔اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ اس طرح کی زبان میں کہ امام علیہ السلام کو "تامر بالطاعه ولزوم الجماعه" کہہ کر وہ اس جماعت کی اطاعت ولزوم کا حکم دیتی ہے۔اور یہ حکومتی اور حکومتی کارندوں کی زبان تھی اور یہ اس سے حکومت کادفاع کرناچاہتی تھی اور میں بعید نہی سمجھتاہوں اس تحریک کے پیچھے یہی امر کارفرماہو۔

پس امام حسین علیہ السلام نے جو نہی اس کا یہ خط پڑھااور جواب دیا، فرمایا: پس اب سزاور ہے کہ میں اپنے مقتل کی جانب گامزن رہوں اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

ابو بکرابن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام آئے اور کہا:

بتحقیق قرابت داری نے مجھے یہ کام کرنے پر مجبور کیا،اور مجھے نہیں معلوم کہ کیسے میں آپ کونصیحت کروں؟؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے ابابکر؛آپ دھوکہ دہی اور الزام تراشی کرنے والوں میں سے نہیں، کہیے۔

ابابکر نے کہا:

پس آپ نے دیکھاہے کہ اہل عراق نے آپ کے والداور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا،اوراب آپ بھی ان لوگوں کی جانب جاناچاہتے ہیں، درحالانکہ وہ دنیاکے غلام ہیں اور وہ آپ کو قتل کریں گے جنہوں نے آپ کی نصرت کاوعدہ کیاہے،اور وہ آپ کو دکھ دیں گے جن کی مدد کرناآپ پسند کرتے ہیں، پس اللہ کے لیئے اپنے بارے میں سوچئے۔

بتحقیق ابا بکر متن حدیث امام کے حساب سے نہ تو وہ ملاوٹ کرنے کا توقع رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسرے ناصحین متہم تھے، اور اس نے امور پر گہری نگاہ رکھنے والے انسان کی مانند کلام کیا جیسے ان امور کی حقیقت اس کے سامنے ہے اور اپنی نصیحت کو امام علیہ السلام کے مخلص ہونے سے شروع کیا۔ اس لیئے امام حسین علیہ السلام نے اس لہجے میں جواب فرمایا:

اے میرے چاچازاد ! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ پس آپ نے اپنی کوشش کی، پس اللہ کا جب تک کسی امر کے بارے میں فیصلہ ہے، ہو کے رہے گا۔

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے ایک خط لکھا اور اہل کوفہ سے خبر دار کیا اور اس خطرے کی جانب متوجہ فرمایا۔

پس امام حسین علیہ السلام نے اس کو جواب میں خط لکھا:

بتحقیق میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا انہوں نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے اور میں اس کام کو انجام دے رہا ہوں، اور اس کام کے بارے میں کسی کو نہیں بتا سکتا یہاں تک کہ میں اسے عملاً انجام نہ دوں۔

عمرو بن سعید بن العاص نے امام کو خط لکھا:

بتحقیق میں اللہ تعالی سے خواستگار ہوں کہ وہ اپنے الھام سے آپ کی راہنمائی فرمائے، اور جس چیز کے آپ خواہشمند ہیں اس کو آپ کی طرف پلٹا دیے، مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ آپ نے عراق کے سفر کا عزم کیا ہے، لہٰذا میں آپ کو شقاق سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پس اگر آپ خائف ہوں تو میری طرف آجانا، میرے پاس آپ کے لیئے امان، نیکی اور صلہ ہے۔

عمر وبن سعد بن العاص حکام میں مضبوط ترین امراء سے تھااور یہ صاحب لا ؤ ولشکر تھا،اوراس نے اپنے خط کواپنے نفس سے ثقہ و مطمئن ہونے سے شروع کیا،اوراس نے خط کو مستقل طور پر لکھا، مگراس کی خط لکھنے کی نیت بعید نہیں ہے کہ اس نے یہ سوچ کر لکھاہو کہ وہ سلامتی کے ساتھ امام حسین علیہ السلام اور آپ کی تحریک امن وآشتی کے ساتھ چھٹکارہ پائے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو حکم کرنے کے لیئے نامزد کرتا تھایااپنے آپ کو حکم دینے والوں میں سے سمجھتا تھااور وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کی وجہ سے مشکل میں نہیں پڑ ناچاہتا تھااور اس کے ساتھ وہ تمام اصطلاحات اسلامی سے نابلد تھاتب ہی تواس نے امام علیہ السلام کو ''شقاق'' سے تحذیر کی اور امام علیہ السلام کو نیکی،صلہ اور امان کی طمع ولالچ دی۔

پس امام حسین علیہ السلام نے اس کوایک مناسب جواب دیااور فرمایا:

اگرآپ اس خط سے نیکی وصلہ کاارادہ رکھتے ہوتواللہ آپ کودنیاوآخرت میں اس کا جزاءعطاکرے۔

اور بتحقیق جواللہ کو پکارتاہےاور عمل صالح انجام دیتاہےاور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تواس کے لیئے کوئی مشقت نہیں ہے۔اور بہترین امان اللہ کی امان ہے،اوردر حالانکہ اللہ اس شخص کو امان نہیں دیتاجودنیاسے خوف کھاتا ہوپس ہم اللہ سے دنیا کی آفات وبلیات کے بارے میں سوال کرتے ہیں جوآخرت میں اس کے نزدیک امان کا باعث ہے۔

پس عبرتناک بات یہ ہے کہ اس عمرو کو بنی امیہ کے خلفاءنے امان دے کر بعد میں اسے دکھ دیااور تلواروں سے اسے قتل کیا،اس کانہ اس کے اہل وعیال اور نہ ہی اس کے خاندان کافائدہ ہوابلکہ یہ دنیااور آخرت دونوں کی امان سے نقصان میں رہا۔

پس اب عباسیوں سے کچھ نصیحت کرنے والے رہتے ہیں۔ جن میں؛ابن عباس،ابن عمرو،ابن الزبیر،اورابن عمر سر فہرست ہیں۔

ابن عباس:

اگر روایت صحیح ہو تو بتحقیق یزید ابن معاویہ نے ابن عباس کو تحرک کرنے پر ابھارا اور اسے امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے مکہ خروج کرنے کی خبر لکھ کر دی اور کہا: اے ابن عباس! آپ اہل بیت کے سب سے بڑے ہو اور ان کے منظور نظر بھی ہو، پس آپ کو چاہیے کہ امام ع کو اس تفرقہ سے روکنے کی کوشش کرو۔

اور روایت کہتی ہے کہ ابن عباس نے یزید کو جواب دیا اور خط لکھا؛ بتحقیق میں امید کرتا ہوں کہحسین علیہ السلام نے آپ کے کسی ناپسندیدہ امر کی وجہ سے خروج نہ کیا ہو،اور میں امام حسین علیہ السلام کو نصیحت نہیں کر سکتا، جہاں اللہ نے الفت و محبت کو جمع کیا ہو اور اس سے آگ کو بجھایا ہو۔

روایت مزید کہتی ہے کہ عبداللہ بن عباس علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے پاس گئے،اور ایک رات طویل گفتگو کیا ور فرمایا:

> اللہ آپ کو کل کی بری ہلاکت سے ہدایت دے، عراق نہ جائیں، اگر آپ کو حتماً جانا ہے تو آپ قیام کریں یہاں تک کہ موسم حج کے گزر جائے،اور آپ لوگوں سے ملیں،اور آپ جانیں گے کہ ان کے سینوں میں کیا ہے؟ پھر آپ اپنی رائے کو دیکھیں۔

اس حدیث کے صدور کی تاریخ دس ذی الحج سنہ ساٹھ ہجری بتائی گئی ہے۔

روایت کہتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عباس کے اس مشورے سے انکار کیااور عراق کی جانب روانہ ہوئے اور فرمایا:

اے ابن عباس! بتحقیق آپ ایسے بزرگ ہو، جو بڑے ہوئے ہو۔

پھر عبداللہ ابن عباس امام حسین علیہ السلام کے پاس سے اٹھے اور غصے کی حالت میں چلے گئے، اگر روایہ صحیح ہو تو،، پس ابن عباس کا اس عمل پر اقدام کرنا، اور اس کا ابھارنا یزید کے کہنے سے امام حسین علیہ السلام کو اس تحریک کو تاخیر کرنا کا مشورہ دینا، اور وہ تمام باتیں بن عباس کی، امام حسین علیہ السلام کے علم وامامت کی منزلت سے آشنائی کی بھول پر اور حوداث سے دوری پر دلالت کرتیں ہیں۔

پس امام حسین علیہ السلام کا جواب ابن عباس کو کہ ،،شیخ قد کبر ''کی تعبیر استعمال کرکے دینا اس کے قوت حافظہ اور قوت حادسہ کے جانے اور ختم ہونے پر استعارہ ہے جس سے ابن عباس پوری عمر اس سے متصف تھے، اور اس کو امام علیہ السلام نے آشکار کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے ابن عباس کو ایک ایسے امر کی نشاندہی کی اور فرمایا:

یقینا مجھ فلاں فلاں جگہوں میں قتل ہونا مکہ میں قتل ہو جانے سے زیادہ پسند ہے،

پس ابن عباس روئے اور فرمایا کرتے تھے۔

پس اسی لیے میں نے اپنے آپ کو اس سے دور رکھا ہے۔

اور یہ روایہ جن مطالب پر مشتمل ہے وہ بہت بعید ہے، شاید راویوں ابن زبیر اور ابن عباس کے درمیاں اشتباہ کر دیئے ہونگے۔

اگر یزید، اپنی خواہش کے حصول کے لیئے بنی ہاشم کے بزرگ ابن عباس کو ابھارنے پر متمکن تھا تو پھر وہ کیسے دوسرے جو کہ بھولے بھالے، حالات سے نابلد اور سیدھے سادھے مزدوروں پر قادر نہ ہوتا۔

ابن عمرو۔ ابن العاص۔ کی ناصحین میں کوئی خاص ذکر انہیں سوائے جب خروج امام حسین علیہ السلام کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا:

یعنی امام حسین علیہ السلام ہتھیار سے مسلح نہیں تھے یعنی اس قول کے معنیٰ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سابقہ اسلام سے تعلق رکھنے کے ناطے قتل ہو جانا نقصان دہ نہیں تھا لیکن شاعر اہلبیت فرزدق نے اپنے شعر میں ایک اور معنیٰ مراد لیے یعنی آپ علیہ السلام کو خروج پر اکسایا جا رہا تھا۔

ابن زبیر:

بعض مورخین نے روایت کی کہ صحیح ہونے کی شرط پر ابن زبیر کو ناصحین کی فہرست ہی میں شمار کیا ہے پس بلاشک وریب یہ اپنی وعظ و نصیحت میں ملاوٹ اور دوغلاپن سے کام لے رہے تھے کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے اہلبیت کے دشمنوں اور اعدا کو اکسایا اور ورغلایا جس نے اپنے باپ کو جنگ جمل کی آگ بھٹی میں دھکیل دیا اور اپنی خالہ عائشہ کے ساتھ مجسم عدالت حضرت علی علیہ السلام کے مدمقابل کھڑا ہوا اور جب وہ مکہ کے گورنر کے عہدے پر فائز ہوا پس اس نے آل محمد سے کینہ رکھنے کی وجہ سے آپ کی آل پر درود پڑھنے کو ترک کر دیا اور آل ابی طالب کو اگر اس کی امارت و سلطنت کے معترف نہ ہونے اور اس کی بیعت نہ کرنے

کی صورت میں آگ ہی میں جھلسانے اور قتل کرنے کی دھمکی دی تھی اور مدینہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو دھوکہ دیتا تھا اور سب کو ایک جگہ اکھٹا کرتا تھا۔

پس اس شخص نے امام حسین علیہ السلام کو مدینہ سے خروج نہ کرنے کی وعظ و نصیحت کی کوشش نہیں کی اس خوف و خدشہ سے کہ کہیں ان کے باپ اور بھائی کو قتل کر ڈالے بلکہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو اس مصیبت میں مبتلا دیکھنے کی خوشی میں ظاہراً نصیحت کی تھی امام حسین علیہ السلام نے اس کے سیاہ ماضی کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ اس کو دردناک اور برے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے جواب دیئے۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ مجھے کہیں اور مکان میں قتل کر دیا جانا پسندیدہ ہے بجائے اس کے کہ میں اپنے خون کو مکہ میں بہا کر اس شہر کی حرمت کی پامالی کا سبب فراہم کروں۔

اس کی وجہ سے مسجد حرام، بیت اللہ کی حرمت کو پامال کر دیا جائے گا جب وہ کعبہ میں داخل ہونگے اور اپنی گورنری اور سرکشی کا اعلان کریں گے اور شام کی فوج کی جانب سے کعبہ کو فتح اور کعبہ کی جانب پتھر اور آگ برسا کر اس کی حرمت پامال کر دیں گے اور جلائیں گے۔

پس جب امام حسین علیہ السلام بیت اللہ الشریف کی حرمت کے ناطے خود اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مدینہ سے خروج کرتے ہیں اور اس لیے کہ کہیں جنگ کی وجہ سے کعبہ مقدس کی حرمت پامال نہ ہو پس کس طرح سے اہل بیت رسول حرمت کعبہ کا لحاظ رکھتے ہیں اس کو ہم نے فقرہ اولیٰ میں دیکھا۔

لیکن یہاں پر بہت ساری روایات اور اقوال موجود ہیں جو اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ ابن زبیر حضرت امام حسین علیہ السلام کو مدینہ سے عراق کی جانب خروج کرنے پر ابھارتے اور اکساتے تھے جس کی صداقت سعید بن الطیب نے کی ہے اور مسور بن بحرمہ نے شدت سے ذکر کیا ہے جو ابن عباس نے ابن زبیر کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ظاہر کیا اور ابن عباس نے اس سے فرمایا:

اے ابن زبیر! وہ جسے تم چاہتے تھے وہ وقت آیا اور شاید تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک ملی یہ ابو عبداللہ روانہ ہو رہے ہیں اور تمہیں اور تمہارے حجاز کو چھوڑ کر۔

ابن عمر:

ابن عمر کی ظاہری وضع وقطع سے تقویٰ نظر آتا تھا جو نہ تو حق کی تمیز رکھتا تھا اور نہ ہی باطل سے دور رہ پاتا تھا حالانکہ اپنے زعم وگمان میں فتنہ وفساد سے دور رہنے کی سعی وکوشش کرتا تھا یہ اس وجہ سے تاکہ خون کے معاملے میں اپنا دامن پاک رکھ سکے۔

وہ بہت ہی عاجز وناتوان تھا کہ ایسے معاملات کا حل ڈھونڈتا بجائے اس کے وہ خود اس میں پڑتا تھا۔

پس اس ضعیف نظریے کی بنیاد واساس پر جب تمام لوگوں (اصحاب نے) حضرت امام علی علیہ السلام کی امامت وخلافت کی بیعت کی تو اس شخص نے بیعت نہیں کی اور دور ہو گئے لیکن یہی شخص حجاج کی بیعت کا قصد رکھتا ہے اور اس گمان وظن سے کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارک سنی تھی'' کہ جو شخص اس حالت میں رات

گزارے کہ اس کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو اور اسی حالت میں موت آئے تو گویا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

پس حجاج نے ابن عمر کی جانب اپنے پاؤں کو دراز کیا تاکہ اس پر بیعت کرے در حالانکہ یہ امام علی علیہ السلام کی بیعت کی انکار پر مصر اور یہاں پر اس حدیث سے بیعت پر استدلال قائم کرتا ہے کہ کہیں ترک بیعت کی حالت میں ان راتوں میں سے کسی رات مجھے موت نہ آئے اور اس بات کا خوف ہے ؟ پس حجاج ایک ملحد شخص تھا پس اس موقع پر ابن عمر کے اور اسی نادانی اور جہالت سے بعض لوگوں کو اندھیروں کی جانب دھکیل دیتے ہیں اس گمان سے کہ ان کے ہاتھوں میں ہدایت کی روشنی ہے حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ بہت دور کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔

پس ایسی ہی مضحکہ خیز اور خفیف و غریب رائے رکھنے کے باوجود ابن عمر حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس اس گمان سے آیا کہ وعظ و نصیحت کریں تاکہ آپؑ عراق تشریف نہ لے جائیں اور اپنے آپ کو ان ناصحین کی فہرست میں شامل کرسکے۔

بتحقیق اہل عراق ایک بری قوم ہے در حالانکہ جنہوں نے آپ کے والد گرامی کو شہید کر دیا اور آپ کے بھائی کو مارا اور انہوں نے ایسے ایسے کام انجام دیئے۔

اے قتل ہونے والے ! میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اللہ حافظ و نگہبان

لیکن جو کچھ ابن عمر نے بیان کیا تھا وہ خود امام حسین علیہ السلام پر مخفی نہ تھا کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام اہل کوفہ کو خوب جانتے تھے اور کیا کیا کارنامے انجام دیئے تھے واقف تھے حالانکہ امام علیہ السلام ابن عمر کی آنکھوں سے کوسوں دور تھے۔

اور اگر ابن عمر اپنی رائے اور نظریے کی بنیاد پر سیاسی معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا اور فتنہ و فساد سے دور رہتا تھا تو آج کس لیے دخل اندازی کرتا ہے اور اپنی طرف سے امام حسین علیہ السلام کو مدینہ خروج نہ کرنے کی نصیحت کیوں کرتا ہے؟

پس ابن عمر اور ان جیسے لوگ ہمیشہ ظالموں کے ایماء پر ناچتے ہیں اگرچہ ان کے پیچھے کردار کوئی اور ہوتا ہے اور ایسے ہی لوگ یزید و معاویہ و حجاج جیسے افراد کے تقرب میں خوشامدی کی خاطر چھلانگ مارتے ہیں اور ناچتے رہتے ہیں۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان ''ناصحین'' کو ان کی شخصیت، خیالات، اغراض، موقع، مناسبت، قرابتداری، رشتہ داری، اجنبیت کے حساب سے مختلف جوابات دیے ہیں جیسا کہ ہم نے دیکھا مگر بنیادی فیصلہ کن جواب اموی امیر عمرو بن سعید کو جواب کی صورت میں امام حسین علیہ السلام نے دیا۔

پس فرمایا پس بتحقیق گراں نہیں گزرتا اس شخص پر جو اللہ کی جانب دعوت دیتا ہے اور عمل صالح انجام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بتحقیق میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

پس جب امام حسین علیہ السلام دعوت الی اللہ کے جواب کی ادائیگی کی خاطر نکل رہے تھے تو آپ کا نکلنا لغو اور بے مقصد نہیں تھا اور نہ ہی کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ آپ کی سرزنش کریں کیونکہ امام عالی مقام اپنے اس عمل و اقدام سے واجب الٰہی کے فریضے کو انجام دے رہے تھے جسے اللہ نے انبیاء کرام اور آئمہ اطہار علیہم السلام پر واجب قرار دیا ہے۔

اور امام علیہ السلام اس فریضے کو جو انبیاء ماسلف اور ائمہ علیہم السلام پر جو امام سے پہلے گزرے تھے ان کے فریضے کو انجام دے رہے تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام کے لیے خروج کرنے کے لیے تعداد و قوت پوری طرح مکمل ہوں اور یہ مختلف خطوط ور سائل و عہد و پیمان توثیقات کی صورت میں آپ پر اتمام حجت کرے تو لامحالہ امام عالی مقام ان لوگوں کی ہدایت ور ہبری کے لیے نکلیں گے اور آپ ان ممکنہ رکاوٹوں و مشکلات کی وجہ سے نہیں رک سکتے تھے اور یہ احتمالات و خدشات، گمان اور فرض اندازوں پر قائم ہیں جیسے کہ اہل کوفہ آپ کو دھوکہ دیں گے شہید کر دیں گے وغیرہ جنہیں ناصحین وواعظین نے پیش کیے تھے۔

لہٰذا امامؑ کیسے رک سکتے تھے جبکہ آپؑ کے پیش نظر راہ خدا میں سعادت شہادت ہو اور اس اقدام کے نتیجوں میں بہترین نتیجہ متوقع ہو۔ اور اُس شخص کے لیے جو راہ خدا کو اختیار کرتا ہے شہادت بہترین اور مطلوبہ نتیجہ ہے۔

بتحقیق شہادت امامؑ پر اللہ کی جانب سے مامور شدہ اور قضاالٰہی تھی۔ اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کے لیے بھی اللہ کی توفیق کی طرف محتاج ہیں۔

یہ امام عالی مقام کے سامنے اہم اہداف ہی سے ایک هدف تھا جس سے فقط ممکنہ مواقع کی وجہ سے پیچھے ہٹ نہیں سکتے تھے۔

مگر اہل عراق اور اُن کا کردار کہ وہ اہل نفاق و شقاوت اور خیانت کار اور بے وفا تھے اس طرح کی باتیں امام عالی مقام کو اس واجب عمل کی انجام دہی اور آپ کے قیام کی راہ میں رکاوٹ و مانع نہیں بن سکتی تھیں۔

اور انتہائی سنگین بات جو قابل تصور تھی وہ حضرت امام حسینؑ کی حیات اور زندگی کو لاحق ضرر اور خطرہ تھا اور امام اس پر آسانی سے قابو سکتے تھے لیکن امامت و قیادت کو ترک کر

دینا امام وقت و حاضر کے لیے کیونکہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ پس حضرت امام حسینؑ کی پشت مبارک پر اس فریضۂ الٰہی کی ادائیگی ڈال دی گئی تھی اور کوفیوں اور عراقیوں نے ہدایت اور رہبری کے لیے خطوط و مختلف پیغامات دے کر دعوت و استعانت، امامؑ سے طلب کر چکے تھے۔ پس یہ قیادت و رہبری اور فریضہ الٰہی کی ادائیگی عراق جانے کے علاوہ ممکن نہ تھی اور یہ واجب الٰہی فقط مجرد احتمالات و ممکنہ ضرر جو ابھی فعلاً متحقق نہ ہو جس کی وجہ سے امام علیہ السلام کی گردن پر واجب ساقط نہیں ہوتا۔

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کیسے اس امر الٰہی سے ہاتھ اٹھاتے حالانکہ ان لوگوں کے پے در پے خطوط و رسائل اور دعوت کی وجہ سے امام عالی مقام علیہ السلام پر اتمام حجت ہو چکا تھا، امام علیہ السلام کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہا تھا اور حالانکہ ابھی ان لوگوں سے کوئی عذر خیانت بھی سرزد نہیں ہوا تھا اور نہ عہد و پیمان توڑے تھے۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھا کہ اس فریضہ الٰہی کی انجام دہی کی راہ پر نکلتے اور ان لوگوں پر اتمام حجت کرتے جب تک ان سے خیانت و دکھ درد نہیں ہوتا جیسے کہ میدان کربلا میں ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کے وجود بابرکت کے ساتھ اپنی بے وفائی و پیمان شکنی کا مظاہرہ کیا۔

پس جب بھی حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس قوم کے خطوط و رسائل و پیغامات اور آپ علیہ السلام کے نکلنے کی وجہ کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا تو آپ علیہ السلام تکراراً بڑی صداقت کے ساتھ اشارہ کرتے کہ یہ ایک فریضہ الٰہی ہے جو اللہ کی جانب سے آپ

علیہ السلام کی گردن پر مستقر ثابت ہے اور اس جواب سے اعتراض کرنے والوں کو اپنے خروج کے اسباب بناتے اور سادہ جواب دے کر راہنمائی کرتے تھے اور انہیں خاموش کرواتے تھے۔

اسی طرح ہی امام علیہ السلام نے ابن عمر کے اعتراض کو مکرراً و تکراراً بیان کر کے خاموش کروادیئے۔

فرمایا: ''یہ ان کے خطوط اور بیعت ہے''

پس ہر مسلم جانتا ہے کہ جب امام علیہ السلام پر حضور حاضر اور وجود ناصر کی بابت اتمام حجت ہو اور جب تک ظاہری عذر منہدم اور ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کی قیادت و رہبری سے امن ماموریہ کے بارے میں مواخذہ کرتا ہے اور احتمالات ممکنہ جو دکھ، پیمان شکنی، قتل کا خوف جیسے خدشات آپ کو اس واجب کو ترک کرنے کے لیے سبب نہیں بنتے ہیں اور نہ ہی اس فریضہ الٰہی کی ادائیگی میں کوتاہی برتنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔

بلکہ ظاہراً اس فریضہ الٰہی و واجب الٰہی کو انجام دینے کی راہ پر نکلنے اس امر کے قیام کرنے، اور امت محمدی کی اصلاح و راہنمائی طلب کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ ان پر حجت قاطع تمام ہو جائے اور عذر خواہوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے اور یہی سیرت و کردار سابقہ انبیاء الٰہی کا رہا ہے وہ فریضہ الٰہی کو بخوبی نبھاتے تھے۔

یہ حسین علیہ السلام ہی ہیں جو اپنے زمانے کے امام علیہ السلام ہیں، اور امام حسین علیہ السلام ہی مسلمانوں کے سید و آقا ہیں اور امام علیہ السلام اموی حکمرانوں کی منصوبہ بندیوں اور سازشوں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح دوبارہ زمان جاہلیت ہی میں امت کو دھکیلنا چاہتے

تھے اور اسلام کو اپنے تمام قوانین و طبقات کے ساتھ ہر قیمت پر ہر صورت میں قہراً ختم کرنے اور ملیامیٹ کرنے کی دھمکی دے چکے تھے۔

اور امام کے سامنے قوم کی جانب سے بیعت کی یقین دھانی، دعوت عراق کے کثرت سے خطوط ورسائل موجود تھے اور وہ اپنی آمادگی و نصرت کا اظہار کر چکے تھے ایسے میں آپ کے پاس کونسا عذر رہتا تھا کہ انہیں ترک کرتے ؟اور ان لوگوں کے خطوط کا جواب نفی میں دیتے ؟

کیا جان کی حفاظت، خون نہ بہانے کی خواہش ورغبت اور قتل سے خوف ایسے امور میں سے ہیں جو واجب الٰہی و فریضہ الٰہی کی راہ میں مانع ورکاوٹ بن سکے ؟

یعنی یہ عظیم مسؤلیت جو اسلام و حرمت اسلام کی پاسداری و حفاظت کی راہ میں حائل ہو سکے اور امت و قوم کی جانب سے مسلسل اس قدر خطوط و پیغامات و دعوتیں ملنے کے باوجود ان کے مدمقابل خاموش رہنے کے لیے وجہ و سبب بن سکے ؟اور آپ کی ان لوگوں کی رہبری و قیادت سے دستبردار ہونے کے لیے وجہ سکتی ہیں ؟

پس اس جدوجہد و تحریک آزادی کے مراحل طے کرنے کے بعد جس کا اقل ترین نتیجہ قتل ہونا تھا تو کیا اس کی پرواہ کرنا اور نفس کی حفاظت کرنا معقول بات تھی ؟

جبکہ یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا اور وہ اسی کو واحد راستہ دیکھتا تھا جس سے اپنے باپ کی کوشش کو شرمندہ تعبیر کر سکے اور اموی بادشاہت اور سلطنت کو باقی رہ سکے لہٰذا اس کے لیے امام علیہ السلام کو راستے سے ہٹانا ناگزیر اور ضروری سمجھتا تھا اور اموی حکمران ہمیشہ یہ خواہش اور تمنا کرتے تھے کہ آپ علیہ السلام ایک لحظہ کے لیے رکتے اور وہ اپنے اہداف تک پہنچ پاتے اور امام علیہ السلام کو قتل کر

ڈالتے اور یہ تمنا رکھتے تھے کہ کتنا اچھا ہوتا کہ امام حسین علیہ السلام کو خفیہ طور پر قتل کر دیا جاتا اور آپ علیہ السلام کا خون ضائع اور یہ قضیہ رائیگاں جاتا۔

جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں کی یہ سازش اور رغبت بھانپ کر اعلان کیا تھا کہ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں کہ میں خواہ کہیں بھی رہوں میرے قتل کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں جبکہ یزید اپنے کارندوں کو بتا چکا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو جہاں بھی پائے قتل کر ڈالو! اگرچہ آپ خانہ کعبہ کے غلاف اور پردوں کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت و موت کے لیے افضل زمان، افضل مکان، اور قتل ہونے کے لیے بہترین صورت و کیفیت کا کیونکر انتخاب نہ کرتے۔

افضل زمان: افضل زمان یوم عاشورا کا وقت عالم غیب میں مکتوب اور صحف اولیٰ میں ثابت شدہ تھا اور اس جانب عنقریب روایات و غیبی اخبار بیان کریں گے۔

افضل مکان: کربلا مقدسہ۔ اسی طرح بہترین مکان کربلا مقدسہ جس کا نام ایک عرصے سے سابقہ انبیاء کی زبانوں پر جاری تھا۔

بہترین شکل و صورت: پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہادت کے لیے جو شکل و صورت کو اپنایا اور اختیار فرمایا وہ ایک ایسی جدوجہد تھی جو شوق شہادت سے لبریز، عشق و جنون الٰہی سے پر، بھوک و پیاس کی حالت میں جنگ لڑی، جس کی صدا تاریخ کے کانوں میں گونج رہی ہے اور تاریخ ظالمین و کاذبین کے ظلم و بربریت اور ان کی جفاکشی کی داستان ثبت و رقم کر چکی ہے۔

پس بتحقیق امام علیہ السلام کی تحریک کے قیام کے اقدامات اور جہد وجہد جس کا ذکر کتب مقاتل اور کتب تاریخ کے صفحات واوراق میں ثبت ہے یہاں تک کہ منحرفین کی خیانت اسے نہ مٹا سکی اور نہ انکار کرنے والے انکار کر پائے اور نہ ہی ملاوٹ کروانے والے اس میں ملاوٹ کر پائے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ ثابت رہا۔

پس ہم عنقریب امام علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں کچھ اقدامات اور احوال جو واقع ہونگے آنے والے فقروں وسطروں میں بیان کریں گے۔

اخبار غیبی

تمام ادیان الٰہی میں بالعموم اور دین اسلام میں بالخصوص اس کی آباد کاری اور پروان چڑھنے میں اخبار غیبی اور ان پر ایمان کا بڑا کردار اور رول رہا ہے یہاں تک کہ جو لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کی صفات میں سے ایک صفت ''یومنون بالغیب'' ہے اخبار غیبی واخبار ہیں کہ رسول خدا نے غیب سے خبریں لائے اور بیان فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی تھی پس ہر وہ چیز وخبر جو مستقبل میں واقع ہونے یا حوادث کے رونما ہونے کی خبر دے تو ایسی وحی کو غیب کی خبریں کہتے ہیں۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرزمین عراق کی طرف نکلنے اور وہاں پر آپ علیہ السلام کا شہید ہو جانا یہ نبوت کے دلائل اور ان کی سچائی وحقانیت کے شواہد ہیں اور ان اخبار سے بسا اوقات استفادہ وفیض حاصل کیا جاتا ہے جیسے کہ ابن عساکر نے نقل فرمایا ہے:

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت رسول خدا کے پاس گئے درحالانکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے پس میں نے پوچھا یا نبی اللہ کس نے آپ کو رلایا اور غضب ناک کیا ہے؟ اور آپ کی آنکھوں کی شان یہ نہیں ہے کہ آنسو بہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیل تشریف لے آئے اور خبر دی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شط فرات یعنی فرات کے کنارے پر شہید کر دیا جائے گا۔

ایک دفعہ باران رحمت کے فرشتہ نے رسول خدا کی زیارت کی اور اسی اثناء حضرت امام حسین علیہ السلام رسول خدا کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے کپڑے لپیٹ لیے اور فرشتہ باران رحمت نے فرمایا:

پس بتحقیق آپ کی امت اسے عنقریب قتل کر دے گی۔

ان اخبار غیبی کو رسول خدا ﷺ سے حضرت علی علیہ السلام، ام سلمہ ام المؤمنین، زینب ام المؤمنین، عائشہ بنت ابی بکر نے روایت کی ہے اور اصحاب میں انس بن مالک اور ابوامامہ نے بھی روایت کی ہے۔

آپ کی حدیث مبارکہ ہے:

حضرت رسول خدا ﷺ اپنی خواتین سے مخاطب ہوئے اور فرمایا اس بچے یعنی حسین علیہ السلام کو نہ رلائیں پس وہ دن ام سلمہ کا تھا اس روز حضرت جبرئیل آپ پر نازل ہوتے ہیں اور رسول خدا نے ام سلمہ کو ہدایت کی کہ کسی کو میرے پاس اندر آنے کی اجازت نہ دینا پس اسی اثنا میں حضرت امام حسین وہاں پر آئے اور رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ سلم کے پاس اندر جانا چاہاتو ام سلمہ نے آپ کو پکڑا اور اپنے سینے سے لگایا اور شدت سے اپنے پاس رکھا اور جب امام حسین علیہ السلام شدت روئے اور بکا کی تو آپ نے اسے چھوڑ دیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام رسول خدا کے حجرے میں داخل ہوئے جہاں پر آپ تشریف فرما تھے۔

پس حضرت جبرئیل نے رسول خدا کو خبر دی اور فرمایا:

پس بتحقیق آپ کی امت اسے عنقریب قتل کر دے گی۔

پس رسول خدا اپنے حجرے سے انتہائی سخت پریشانی و غم کی حالت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگا کر باہر نکلے اور اصحاب کے پاس گئے اور وہ اصحاب وہاں پر جمع تھے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: بتحقیق میری امت اس کو قتل کر دے گی اور وہاں اصحاب کی جماعت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی تھے۔

پس بتحقیق جن لوگوں تک یہ اخبار غیبی پہنچی اور ان خبروں پر ایمان لائے ان کے ایمان کے علل و ثبات میں اور اضافہ ہوا جب انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو واقعاً شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔

پس یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آپ کا مقتل شواہد نبوت و دلائل رسالت میں سے ہے اور اسی سے رسول خدا کے اس قول کی انا من الحسین کی تطبیق اور مصداق ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت جبرئیل کا نازل ہونا ایک امر مانوس اور طبیعی بات تھی چونکہ آپ وحی کے فرشتے اور خبر دینے والے فرشتے ہیں لیکن فرشتہ باران رحمت کا نازل ہونا اور غیبی خبر دینا یہ ایک حیران کن اور غور طلب بات ہے۔

پس حضرت امیر المومنین وحی رسول اللہ علی مرتضیٰ نے خلافت کے ادوات، واوزار، چاہیے ہمینی ہو یا معنوی، خفی ہو یا علنی، اور علوم شرعی واسرار جو کہ مذہب جعفری کی امانت تھی رسول خدا سے لے لیں جن میں سے بہت سارے پوشیدہ ہیں اور ان میں سے کچھ کا اعلان فرمایا پس ان بعض امور کا جن کا اعلان فرمایا ان میں سے ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقتل کے بارے میں تھا۔

جب امام علی علیہ السلام کے نینوا کے درمیان پہنچے اس وقت جب آپ حنین کی جانب جا رہے تھے تو آپ نے بلند آواز میں پکارا صبر کر اے ابا عبداللہ صبر کر اے ابا عبداللہ شط فرات کے موقع پر روای کہتا ہے کہ میں نے پوچھا اور کیا ہوا ابا عبداللہ کو؟ حضرت علی نے جواب دیا: ایک دفعہ میں رسول خدا کے پاس تشریف لے گیا درحالانکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور فرمایا کہ حضرت جبرئیل ابھی میرے پاس سے تشریف لے گئے اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ بتحقیق امت حسین کو شط فرات کے مقام پر شہید کر دے گی۔

مگر یہ نینویٰ کہاں ہے؟ فرات کے کونسے مقام اور کنارہ پر یہ امام حسین علیہ السلام کی قتل گاہ ہوگی پس بتحقیق رسول اللہ نے حضرت علی کو اس موقع کی علامت کی جانب رہنمائی فرمائی تھی اور اس قتل گاہ کے مقام سے نمونہ کے طور پر خاک اٹھائی اور آپ کو عطا کیا۔

اور فرمایا کیا آپ علیہ السلام اس خاک کی خوشبو کو محسوس کرتے ہو؟ اور آپ نے ہاتھ کو بڑھایا اور اس مٹی کو آپ کے ہاتھ میں دے دیا اور اس کی دوسری علامت بتحقیق اس مقام کی مٹی وخاک) آنکھ کے مرض کے لیے علاج وشفا ہے۔

جس کا پہلی دفعہ حضرت امام علی علیہ السلام نے خود مجرب تجربہ کیا تھا اور فرمایا: پس جب اس خاک شریف کو اپنی آنکھوں میں ڈالا تو میری آنکھیں تندرست ہو گئیں۔

پس اتنے طویل عرصے اور سالوں کے بعد جب امام حسین تقریباً تیس سال کے ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام اس زمین مقدس پر کھڑے ہوئے تاکہ ان دو علامتوں سے آگاہ کر سکیں اور آپ علیہ السلام نے دو دفعہ ان علامتوں کی خبر دی جو آپ کے پاس پوشیدہ اور امانت تھی ایک دفعہ جب آپ علیہ السلام مقام حنین جا رہے تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا اور دوسری دفعہ مقام حنین سے واپسی پر آگاہ کیا۔

راوی فرماتا ہے:

جب ہم مقام حنین سے واپسی پر کربلا کے مقام پر پہنچے اور ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نماز صبح وہاں صحراوں اور حرمل کے گھنے درختوں کے درمیان ادا کی۔

اور حضرت علی علیہ السلام نے اس موقع پر وہاں ہرنوں کے قدم میں سے ایک جگہ سے مٹی ہاتھ میں لی اور سونگھا اس کے بعد فرمایا: آہ۔آہ۔۔ پھر فرمایا اس جگہ پر ایک جماعت کو قتل کر دیا جائے گا جو بغیر حساب کے جنت میں ہی داخل ہونگے۔ جبکہ خود حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اس سرزمین کی خاک کو سونگھ چکے تھے اور

آج ہم نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں سے زمین کربلا کی خاک مبارک کو سونگھا اور نماز پڑھی۔

پس جب رسول خدا کی اخبار نبوت کے دلائل میں سے ہیں تو اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کا اس سرزمین مقدس (کربلا معلیٰ) میں حاضر ہونا اور آپ علیہ السلام کا غیب کی خبریں بتانا جب رسول خدا پر وحی نازل ہوئی تھی لہٰذا حضرت علی ان کا غیبی اخبار کا بتانا یہ دلائل امامت و شواہد امامت میں سے ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا اس زمین مقدس پر حاضر ہونے سے اس کے تقدس میں اور اضافہ ہوا اور اپنے شہید بیٹے پر بلند آواز سے تعزیت اور صبر کی تلقین کی فرمایا: صبر کرے اے اباعبداللہ صبر کرا ے اباعبداللہ۔

پس جب اگر کربلا کے واقع ہونے کی خبریں غیبی ہیں جیسے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل کی تھی تو ضروری ہے یہ صحف انبیاء ماسلف میں بھی غیبی خبر موجود ہونا چاہیے جبکہ شریعت الٰہی ایک ہے اور کائنات کے حقائق بعینہ ایک متحدہ ہیں اور مستقبل اور جدید واقعات لوح غیب میں محفوظ ہیں اور ان اخبار اعلان کرنے کے مقاصد و اہداف بھی متکرر ہوتے ہیں پس صحف اولی میں کربلا مقدس کے بارے میں کیا ذکر ہے؟ بتحقیق کچھ حضرات نے بعض اخبار کو ایک دوسرے سے کو نقل فرمایا ہے۔

پس کتب الاخبار ہی ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام کا کہیں سے گزر ہوا تو فرمایا: کہ اس شخص کی نسل میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جسے ایک جماعت کے ہمراہ قتل کر دیا

جائے گا جائیں گے اوران کے گھوڑوں کے پسینے بھی خشک نہیں ہونگے وہ رسول خدا سے ملاقات کریں گے۔

یہ جالوت کا دیس ہے کہ جو کہ انبیاء سابقین کی اولاد ہی سے تھے فرماتے ہیں ہم نے سنا تھا کہ ابن نبی کربلا میں قتل کر دیئے جائیں گے پس جب ہی وہاں سے اپنے گھوڑے کو تیز دوڑایا تا کہ اس کا جائز انعام حاصل کر سکوں پس جب حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے اور اس کے بعد اس وقت مجھے امیر بنایا گیا۔

پس جب یہ غیبی اخبار اور خبریں صحف اولی سے حضرت رسول خدا اور حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہیں جنہیں بنایا اور پھیلایا جاتا ہے تو لہٰذا خود امام حسین علیہ السلام جو ان اخبار کا محور و مرکز اور موضوع احادیث ہیں انہیں بھی علم ہونا چاہیے۔

پس بتحقیق ان اخبار اور غیبی خبروں کو واقعہ کربلا رونما ہونے سے پہلے اعلان اور بیان کیا گیا تھا حتیٰ کہ ان اخبار کی وقوع کے لیے اللہ کی قسم دے کر بیان فرمایا گیا تھا جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہے:

۱۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم وہ لوگ میرے اوپر اسی طرح تجاوز کریں گے جس طرح بنی اسرائیل نے یوم سبت پر تجاوز کیا تھا۔

۲۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ وہ میرے پیٹ سے اس علقمہ کو نہ نکالیں۔

۳۔ وہ شخص جس نے امام حسین کی زیارت کی تو فرمایا: پس میں اس عمارت اور جسم کو ایک وسیع صحراء میں کٹا ہوا دیکھتا ہوں میں نے پوچھا: کس کا ہے؟

فرمایا: یہ حسین کا ہے؟

پس میں اس کے پاس آیا درحالانکہ وہاں ایک بزرگ جس کی آنکھوں سے آنسو اس کے رخسار اور داڑھی پر بہہ رہے تھے قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔

پس میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے رسول خدا کے فرزند کس نے آپ کو اس بے آب و گیاہ صحرا میں لا کھڑا کیا ہے؟ جو کسی کا نہیں ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا: پس یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں جنہوں نے مجھے لکھا تھا انہیں ہی سوائے اپنے قتل کے نہیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے جد رسول خداﷺ کی غیبی روایات و اخبار سے بطور خوب واقف اور علم رکھتے تھے کیونکہ امامت کی علامات ہیں اور جس کا جاننا منصب امامت کا حسن ہے۔

حدیث کربلا: کربلا کے غم اور خاک

قدیم "عرب" میراث میں خود کربلا کا نام نہیں ملتا ہے اور بتحقیق یہ نام مبارک "لحان غیب" سے جاری ہوا ہے اور عربوں نے پہلی بار رسول خداﷺ کی زبان مبارک سے سنا تھا جسے سعید ابن جہان نے روایت کی ہے۔

فرمایا: جبرئیل نبی اکرمﷺ کے پاس اس مکان و قرینہ کی مٹی لیکر آئے جہاں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا جانا تھا اور کہا گیا کہ اس قرینہ کا نام "کربلا" ہے تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کرب و بلا یعنی آزمائش و مصیبت (مصیبت و آزمائش کا مقام ہے) پس ضرور کربلا کا نام اس قریہ (گاؤں) کے لیے رکھا گیا ہوگا یا پھر اس

حدیث مبارک کو زبان رسول سے صادر ہونے کے بعد یہ مستعمل و معروف ہوا اس قرینہ کے لیے اور کربلا کا نام ''الکرب'' مصیبت اور بلا'' سے لیا گیا ہو پس یہ نام اس حدیث کی وجہ سے خاص ہوا ہے باوجود اس کے کہ یہ حروف وحی کے ہیں اور ان کی دلالت تصور سے انکار ممکن نہیں ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی جب اس نام کی بابت دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے بھی اسے ''نفس وحی'' سے لیا:

راوی کہتا ہے کہ جب ہم حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ صفین سے لوٹے اور ایک مقام پر پہنچے آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس جگہ کا کیا نام ہے؟

ہم نے جواب دیا ''کربلا'' آپ نے فرمایا: ''کرب وبلا'' مصیبت و آزمائش کا مقام پھر آپ ایک اُونچی جگہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: '' یہاں پر ایک جماعت و قوم کو قتل کر دیا جائے گا جو روئے زمین پر عظیم ترین شہدا ہونگے حتیٰ شہداء رسول اللہ کو بھی وہ مقام وفضیلت نہیں ہو گی۔

اور حضرت امام حسینؑ بھی جب کربلا کے مقام پر اُترے اس کے بارے میں یہی استفسار کیا۔'' اس زمین کا کیا نام ہے؟ اصحاب نے کہا۔ کربلا۔ تو امام علیہ السلام نے کہا کرب و بلا یعنی مصیبت و آزمائش کی جگہ ہے۔

''حدیث غیب'' کے بعد خاک کربلا کے نمونہ کو بھی حاضر کیا گیا جس کی طرف تکراراً حدیث ہی میں اشارہ ہوا ہے اور رسول خداﷺ کی حدیث مبارک بھی اس نکتہ کو سپورٹ کرتی ہے اور ان ہی میں سے ہر ایک کے لیے ایک مصداق و نمونہ ہے لٰہذا یہ ثبوت و معجزات نبوت کی ''عینی'' دلیل ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ بتحقیق حضرت جبرئیل نے رسول خدا ﷺ سے فرمایا: کہا کہ آپ اس خاک کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہو؟ پس رسول خدا نے ہاتھ کو آگے بڑھایا اور مٹھی بر خاک کو ہاتھ میں لیا اور حضرت جبرئیل نے اس مٹی کو رسول خدا کے ہاتھ میں دیا۔

انس کی حدیث:

پس حضرت رسول خدا ﷺ کے پاس فرشتے وحی کے اس مقام کی سرخ مٹی کو لائے اور ام سلمہ نے اس ''سرخ مٹی'' کو اٹھایا اور اپنے کپڑے کے سرے میں باندھ لیا۔

حدیث: پس رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کے پاس گئے در حالانکہ اصحاب تشریف فرما تھے رسول خدا نے فرمایا: یہ اس جگہ کی خاک ہے جہاں پر حضرت امام حسین علیہ السلام قتل کر دیئے جائیں گے اور اصحاب اس خاک کی زیارت کریں۔

اور حضرت ام سلمہ کا اس خاک شفاء سے ایک عظیم تعلق و رشتہ تھا اور اس خاک کے حوالے سے ام سلمہ نے تفصیل سے روایت کی ہے۔

پس میں بیدار ہوئی اور میرے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی اور رسول خدا ﷺ نے فرمایا: کہ حضرت جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بیٹے، لخت جگر، حسین علیہ السلام کو زمین عراق پر شہید کر دیں گے۔۔۔اور یہ اس کی خاک ہے۔

اور آپ کے لیے عزت و شرف حاصل ہوا کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے اس مقام کی خاک کو بطور امانت حفاظت کرنے کے لیے عطا فرمایا: جیسا کہ وہ روایت کرتی ہیں۔

جب حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام میرے گھر میں رسول خدا ﷺ کے ہمراہ کھیل رہے تھے اور حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا: اے محمد ﷺ آپ کی امت اس بیٹے کو آپ کے بعد قتل کر دے گی۔

اور حضرت جبرئیل نے اپنے ہاتھ سے امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا پھر رسول خدا ﷺ بہت روئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا: یہ خاک آپ ام سلمہ کے پاس امانت ہے اور اس خاک کو رسول خدا ﷺ نے سونگھا اور فرمایا: تف ہو کرب و بلا پر اور رسول خدا ﷺ نے ام سلمہ سے فرمایا: اے ام سلمہ جب یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھنا کہ میرے لخت جگر بیٹے حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا۔

پھر جناب ام سلمہ نے اس خاک مبارک کو ایک شیشہ کی بوتل میں رکھ دیا اور پھر اس خاک کو ہر دن دیکھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ پس بتحقیق ایک دن وہ خاک خون میں تبدیل ہوئی اور یہ بہت عظیم دن تھا! اور یہ تمام تفاصیل رسول خدا ﷺ کی زوجات میں سے ام سلمہ کے ساتھ خاص تھیں دیگر خواتین نے بھی حدیث خاک شفاء کی روایت کی ہے۔

پس جناب عائشہ کہتی ہیں: کہ حضرت جبرئیل نے رسول خدا کو "الطف" کی جانب اشارہ کیا اور وہاں کی سرخ مٹی کو اٹھایا اور اسے رسول خدا کو دکھایا اور فرمایا: یہ امام حسین علیہ السلام کی قتل گاہ کی مٹی ہے۔

زینب بنت جحش نے روایت کی ہے: کہ مجھے سرخ مٹی کو دکھایا اور ام الفضل ۔وصفۃ الحسین فرماتی ہیں پس میرے پاس اس مقام کی مٹی میں سے سرخ مٹی کو لایا گیا۔

اور عجیب ترین نکتہ اور بات یہ ہے کہ ان تمام خواتین کی احادیث اور دوسروں سے جو احادیث مروی ہوئیں ہیں ان سب میں ایک نکتہ مشترک واقع ہوا ہے وہ یہ ہے مٹی کا سرخ ہونا یعنی خون کا رنگ اور بتحقیق ان سب کی احادیث یوم عاشورا کو کربلا کی مٹی کا خون میں تبدیل ہونا ہے۔ پس ان اخبار میں کیا راز موجود ہے؟ کیا اسرار پوشیدہ ہے۔

پس اس خاک میں کیا راز ہے؟ اس خاک کو دیکھنے والوں کے آنسو بہانے کا کیا سبب ہے؟ خون میں تبدیل ہونے کا کیا راز ہے؟ اور اس مٹی کی خاص خوشبو کا راز کیا ہے؟ اور اس مٹی کا پاک وطیب ہونا دلیل ہے کہ وہاں پر مدفن کی افضیلت وفضیلت کے لیے جیسے کہ:

جب متوکل العباسی کے دور میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر اطہر پر پانی پھینکا اور ڈالا گیا تقریباً چالیس روز تک اور امام حسین علیہ السلام کی قبر کے اثرات کو مٹانا چاہتے ہیں اور بنی اسد کا ایک بدو وہاں آیا اور اس مقام کی مٹی کو ہاتھ میں لیا اور سونگھا یہاں تک کہ وہ قبر امام حسین علیہ السلام پر گر پڑا اور گریہ وزاری کی اور فرمایا:

میرے ماں باپ قربان ہوں آپ علیہ السلام پر کہ آپ کس قدر پاک وطیب ہے اور کس قدر یہ مٹی پاک وطیب قرار پائی آپ کی شہادت ہے پھر گریہ وزاری کی اور یہ شعر پڑھا۔

ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ اس مٹی پر آپ کی قبر کو اس کے سرپرست مخفی رکھیں لیکن اس مٹی کا طیب وطاہر ہونا ہی آپ کی قبر کی جانب رہنمائی فرماتا ہے۔

پس "الکرب، الدم، القتل، البلاء" کی وحی نازل ہونا کیا ان اسرار اور رازوں سے آگاہ ہونا ہے سوائے ان غیبی خبروں کے جو آسمان سے سید الانبیاء پر وحی ہوئی ممکن ہے؟ پس

بتحقیق یہ نبوت وامامت کے عظیم دلائل میں سے ہے کہ ان غیبی اخبار کا وقوع بتحقیق پانااور کربلا کی مٹی عاشورا کے دن ہمیشہ سرخ خون میں تبدیل ہوتی ہے اور امام حسین علیہ السلام کے موالی اس مٹی کی خوشبو کو ہمیشہ جانتے ہیں اور معرفت رکھتے ہیں اور کربلاء کی خاک ہمیشہ کے لیے مقدس اور باعث تقرب الی اللہ قرار پائی جب اس پر سجدہ کیا جائے اور یہ اپنے لیے شرف و طہارت اللہ تعالیٰ کے ہاں رکھتی ہے اور اس سے تبرک کیا جاتا ہے اس سے شفاء حاصل کی جاتی ہے کیونکہ اس پر اللہ کی راہ میں امام حسین علیہ السلام کا خون بہا ہے اور جب تک کربلا کی زمین ہے وہاں پر تعزیت جاری رہیں گی اور وہاں پر مصائب والآم جاری وساری رہیں گے اور وہاں پر خون کی نہریں بہیں گی۔ کیونکہ یہ "کرب وبلا" ہے

اصحاب باوفا یاباوفا اصحاب امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عراق کے لیے رخت سفر باندھنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اس طویل راستے کی مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور نہ ہی ان احتمالات کو ذرہ برابر نصیحت دی بلکہ حکومت اموی کے سیاسی نکتہ نظر اور مقاصد سے کہ آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کی شدید خواہش اور آپ کے ہر فعل کی مخالفت کرتی تھی یہاں تک کہ آپ کو ختم کر دینے کے منصوبے میں اہل عراق کی بے وفائی اور آپ علیہ السلام کی نصرت سے پیچھے ہٹ جانا بھی آپ علیہ السلام کو اپنے ارادوں سے متزلزل نہ کر سکا۔

آپ علیہ السلام سرنوشت کو جانتے تھے اور ہر وہ شخص جس نے آپ علیہ السلام کے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کربلا کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا یا کربلا کا مشاہدہ کیا سب جانتے تھے اور آپ علیہ السلام کے والد گرامی علی علیہ السلام نے بھی کربلا مقدسہ کو دیکھا اور

اس کی مٹی کو سونگھا اور خاک شفاء کو چکھا تھا اور اسے بطور امانت رکھا تھا پس اس غیبی راستے سے امام حسین علیہ السلام نے قیام کیا تھا جو لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ راستے میں تھے۔ جب بھی حضرت امام حسین علیہ السلام سے آپ کے لشکر کے بارے میں پوچھا جاتا تھا جسے آپ علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے تھے اشارہ فرماتے یا اس پر بات کرتے۔

آگاہ رہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ کی جانب متوجہ کرنے والی بنیادی اور اساسی شے کوفہ کے تمام لوگوں کی رائے اور رؤسا سرکردگان اور شرفاء کے لکھے ہوئے خطوط ورسائل تھے بتحقیق حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان خطوط ورسائل کی کثیر تعداد کو لشکر شمار کیا تھا جو آپ علیہ السلام کو سفر کرنے پر آمادہ کیا اور آپ علیہ السلام ان کی دنیا تھے۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام سے جب سائلین اور راہ چلتے لوگ حتیٰ ناصحین لشکر کے بارے میں پوچھتے تھے تو آپ علیہ السلام نے نہ انہیں بلایا اور نہ جواب دیئے یعنی انہیں لائق جواب نہیں سمجھا اور امام حسین علیہ السلام سے اس قدر بڑی تعداد میں لوگوں کا عہد و پیمان کرنا جن میں اصحاب اور بااثر لوگ بھی تھے ان پر استاد تکیہ نہ کرکے ان ہی جیسے لوگوں اور فوجیوں پر بھروسہ کرنا آسان نہیں تھا اگرچہ کچھ لوگ آپ علیہ السلام کے ساتھ تھے تو پس تحقیق جن لوگوں نے امام علیہ السلام کو خطوط و پیغامات بھیجتے تھے ان کی طرح ان لوگوں میں بھی خیانت و بے وفائی اگر قوی و سریع نہ تھی تاہم احتمالات موجود تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو حالات پر ظاہری نکتہ نگاہ رکھتے ہیں اور پوشیدہ معاملات کو اندازگیری سے دیکھتے ہیں وہ بھی چاہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی تحریک و خروج کا محاسبہ واحتساب کریں اس بناء پر کہ آپ علیہ السلام ایسے امام ہیں جو اس تحریک و نہضت کی

سر نوشت وانجام سے واقف ہیں اور آپ علم غیب سے تمام چیزوں کے بارے میں جانتے ہیں پھر بھی وہ کیسے دخل اندازی کرتے ہیں امام علیہ السلام کے اس اقدام پر جس کے نتیجہ کو آپ غیب سے جانتے تھے اور باخبر تھے!

اس سے بھی عجیب ترین بات یہ ہے کہ بتحقیق امام حسین علیہ السلام اپنے غیبی اور الٰہی علم کے مطابق عمل کرتے تو ہر وہ شخص آپ پر تنقید کرتا جو روایات اور اخبار کو سنتا اور تاریخ بھی پڑھتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے امت کی دعوت کو ٹھکرادیا جو کہ اس قدر شد و مد کے ساتھ آپ علیہ السلام سے محبت و مودت کا اظہار کئے ہوئے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں خطوط ورسائل قوم کے امین کے ہاتھوں آپ علیہ السلام تک پے در پے موصول ہوئے تھے جن کو فقط خیانت و بے وفائی جیسے احتمالات کی وجہ سے اور اس قوم کی سیرت وماضی کی بناء پر ٹھکرادیا تو یہ اندازہ گیری کے سوا کچھ نہ ہوتا جبکہ امام علیہ السلام اپنے علم غیب سے جانتے تھے کہ چند شیعوں کے علاوہ آپ کے دور میں بھی اور آپ کے دور کے بعد بھی ایمان نہیں لائے تھے اور حقیقی طور پر تسلیم خم نہیں ہوئے تھے اور اگر امام حسین علیہ السلام ان نصیحت کرنے والوں کی نصیحت پر عمل پیرا ہوتے اور مدینہ سے نہ نکلتے تو آپ ان لوگوں کے پیروکار واطاعت گزار قرار پاتے جن کی اطاعت آپ علیہ السلام پر فرض نہ تھا۔ اور جن کی ہدایت ورہبری آپ پر فرض تھا اس سے تارک، ترک کرنے والے شمار ہوتے۔

لہٰذا ان قلیل ناصحین (نصیحت کرنے والوں) کی اطاعت کسی صورت مناسب نہ تھی چنانچہ ہزاروں لوگوں کی بات نہ ماننے سے جنہوں نے اپنی اطاعت و محبت کا پیغام دیا اور اصرار کے ساتھ آپ علیہ السلام کو دعوت قیادت ورہبری اور نجات دلانے کے لیے پیغامات

بھیجے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو واجب الٰہی پر ابھارا اور منصوبہ بندی کرنے پر آمادہ کیا تاکہ امت کی رہبری و قیادت کو انجام دینے کے لیے قیام کریں پس امام علیہ السلام پر مددگاروں کی موجودگی سے اتمام حجت ہو گئی پس یہی بنیادی و اساسی اور سبب تھا جس کی وجہ سے امام علیہ السلام نے اقدام کیا بجائے اس کے کہ ان سیاسی احتمالات و ظاہری خدشات کی بناء پر خروج اور تحریک سے ترک اور انکار کرتے بتحقیق امام علیہ السلام نے اپنے کلمات خطبات میں اس بات کی طرف نسبت دی ہے اور صداقت بتادی کہ میں ابلاغ حجت حق کی توضیح و تشریح اور امت کی ہدایت و رہبری اور مظلوموں کی نصرت کرنے جا رہا ہوں۔

ظاہری طور پر لوگوں کا امام علیہ السلام کے ساتھ قلیل تعداد میں ہونا اندیشے کا باعث تھا۔ زہیر ابن شداد الاسدی نے فرمایا جو اہل ثعلبیہ میں سے تھے اور جنہوں نے امام علیہ السلام کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے! میں آپ کو بہت کم لوگوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں اور مجھے آپ علیہ السلام کے بارے میں خوف رہتا ہے پس امام علیہ السلام نے اپنے دست مبارک میں موجود ایک تھیلے کی طرف اشارہ کیا اور اس پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ تھیلہ خطوط سے بھرا ہے اور اس میں شہر کے سرکردگان اور رؤوسا قوم کے خطوط ہیں۔

دوسری جانب حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب تعداد میں بہت تھوڑے تھے جنہیں تاریخ نے قبائل اور خصوصیات کے ساتھ ذکر کیا ہے اور آپ کے ساتھ بنی ہاشم کی ایک معروف تعداد موجود ہمراہ تھی جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بنی عبد المطلب کی قلیل تعداد میں ایک جماعت ، گروہ کو اپنے ہمراہ لیا جن میں انیس مرد اور اپنی خواتین و عیال کے ہمراہ تھے۔ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بنی ہاشم میں سے جو شہید ہوئے ان کے بارے میں آیا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت میں سے سولہ (۱۶) حضرات کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام ستر ویں (۱۷) شخصیت تھے جو میدان جنگ کی جانب نکلے جن میں سے فقط دو زندہ و حیات تھے ان میں سے ایک امام زین العابدین اور دوسرے الحسن المثنیٰ جو اسیر و قیدی بنائے گئے۔

اجمالی طور پر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مجموعی تعداد کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے:

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلبیت اور کوفہ کے ساٹھ شیوخ و بزرگان کے ہمراہ (کوفہ) عراق کی جانب نکلے اور بعض مصادر میں جس کا عنوان" الحسین فی کربلا" کہ آپ کے ہمراہ مجموعی طور پر 100 کے لگ بھگ تعداد تھی۔

مگر وہ افراد جو آپ علیہ السلام کے ساتھ کربلا مقدسہ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ان کو بڑی دقت کے ساتھ ان کے اسماء گرامی، شجرہ نسب کے ساتھ کتابوں میں ذکر کیا ہے لیکن مشہور و معروف قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ کربلا مقدس میں ۷۲ افراد و اصحاب و انصار شہید ہو گئے تھے۔ پس تمام ادیان عالم کے بڑے بڑے معاشروں میں شہداء کربلا و اصحاب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت کو دنیا کے لیے نمونہ عمل ہونے کی مثال

دیتے ہیں پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب بھی ان عظیم افراد وانصار امام میں شامل تھے جیسا کہ انس بن الحارث بن فبیہ الاسدی الکوفی۔

جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے:

میرا یہ بیٹا حسین، ایک ایسی زمین میں قتل کر دیا جائے گا جسے کربلا کہا جاتا ہے پس جو شخص اس سرزمین اور موقع کو درک کرے تو اسے چاہیے کہ میرے بیٹے حسین علیہ السلام کی نصرت و مدد کرے پس حضرت انس بن حارث کربلا کی جانب نکلے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے موقع پر باقی اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں تھے جو اس وقت حیات تھے کیوں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کربلا میں حاضر نہیں ہوئے کیوں امام مظلوم کی مدد و نصرت نہیں کی بتحقیق واقعہ کربلا میں اصحاب رسول اللہ کا قلیل تعداد میں موجود ہونا عامۃ الناس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و محبت و کرامت کا پاس رکھنے کی مثال دینے کے لیے کافی ہے اور اصحاب کا کربلا میں موجود و حاضر ہونے سے محبت تمام ہوگئی چونکہ ان اصحاب کرام نے رسول خدا کی سنت اور امام حسین علیہ السلام کے بارے میں احادیث واردی ہوئی تھیں ان پر اپنے عمل کے ذریعے سے تعمیل کی اور پیروی کی اور امام حسین علیہ السلام کے اصحاب وانصار میں خود امام علی علیہ السلام کے اصحاب بھی تھے جیسا کہ عمار بن ابی سلامۃ بن عبداللہ الھمدانی الالانی، اور دیگر وہ اصحاب جنہوں نے حضرت علی کو بلند آواز میں حضرت امام حسین کی تعزیت کرتے اور پکارتے ہوئے دیکھا۔ صبراً یا اباعبد اللہ۔۔۔صبر اًیا اباعبداللہ۔۔ شامل ہیں۔

معرکہ کربلا میں کچھ اصحاب امام حسین علیہ السلام تھوڑی دیر پہلے تک دشمنوں کی صفوں میں تھے لیکن بعد میں آپ کے اصحاب قرار پائے جیسے الحر بن زید الریاحی اور کچھ لوگ ایسے تھے جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے بغض و عناد سے پر تھے اور وہ لوگ خوارج کے صحیح ہونے کے قائل تھے پس وہ لوگ کامیاب ہوئے جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے کلمات کو سنا اور ان پر دل و جان سے عمل کیا اور آپ علیہ السلام کی مظلومیت کو دیکھا اور جو کچھ آپ کے دشمنوں کی حرکت کو دیکھا جو کہ باطل، شقاوت قلبی، دست درازی پر مبنی تھی ان تمام چیزوں کا مشاہدہ کیا اور امام علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے آئے جو خبریں ان تک پہنچی تھیں اور ان لوگوں نے ان خبروں کو اپنی عقل سے سمجھا اور درک کیا اور ان اخبار غیبی کی وجہ سے ہی درجہ شہادت اور ابدی سعادت سے مشرف ہوئے۔

عربان بن ہیثم نے فرمایا: کہ میرے والد صحراء کی جانب نکلے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جو معرکہ امام حسین علیہ السلام کے قریب تھی اور اسی اثناء میں وہاں پر ایک بنی اسد کے ایک مرد سے ملاقات ہوئی میرے والد نے اس سے کہا کیا آپ اس مقام اور جگہ پر رہنا لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں ؟اس شخص نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس جگہ پر شہید کر دیئے جائیں گے لہٰذا میں اس جگہ کی جانب چل پڑا ہوں جب میں اس مقام کو پاؤں گا تو آپ علیہ السلام کی خاطر قتل ہو جاؤں گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو جب شہید کر دیا گیا تو میرے والد نے کہا کہ ہم چلے گئے اور دیکھنے گئے کہ کیا وہ بنی اسدی شخص قتل کر دیئے گئے ہیں ؟اور پس ہم میدان کارزار اور

مقتل میں آئے اور دیکھا کہ وہ بنی اسدی شخص وہاں پر قتل کر دیئے گئے تھے اگرچہ کوفہ کے لشکر اور کوفیوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑا اور خیانت سے کام لیا اور اپنے خطوط و پیغامات سے منہ پھیر لیا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی قلیل تعداد میں موجود اصحاب نے وفاء اور فداکاری کی ایسی عظیم مثالیں قائم کر دیں اور لشکر کوفہ میں سب سے عظیم، دلیر، بہادر اور ثابت قدم رہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ روز عاشور آپ علیہ السلام کا بڑی بے جگری سے ساتھ دیا اور رہتی دنیا تک مثال قائم کر دی اور وہ اصحاب، امام حسین علیہ السلام کے اصلی موقف پر ڈٹے رہے اور یہ لوگ معاملات کو کھلی اور بصیرت کی آنکھ سے دیکھتے تھے اور وہ اپنے عمل کے سرانجام اور سرنوشت سے باخبر اور اس پر علم بالیقین رکھتے تھے وہ اپنے آقا و مولا حضرت امام حسین پر قربان ہونے کے لیے عین الیقین کے منزل پر فائز تھے اور اس سے تاریخ میں تمام زمانوں اور صدیوں کے لیے باعث مثال ثابت ہوئے۔ ایک مثال بن عساکر نے محمد بن بشیر الصفرمی سے ذکر کیا ہے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور آپ علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں شہادت پائی۔

پس جب اس بندۂ خدا کے بیٹے کو اسیر بنانے کی خبر ملی تو اس نے کہا میں اللہ سے اس کا حساب مانگتا ہوں پس مجھے اس کی اسیری پسند ہے اور نہ مجھے میرے بیٹے کی اسیری کے بعد زندہ رہنے کی خواہش ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام نے اس بندہ خدا کے کلام کو سنا تو امام عالی مقام نے اس سے مخاطب ہو کر کہا اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے تو میری بیعت سے آزاد ہے (یعنی میری بیعت

تجھ پر حلال ہے) پس آپ نے اس کے بیٹے کی آزادی اور رہائی کے لیے اقدام کیا پس اس شخص نے کہا اگر میں آپ سے جدا ہو جاؤں تو جنگلی درندے مجھے زندہ کھا جائیں۔

ان لوگوں کی توصیف و تمجید کرنے کے لیے الفاظ و کلمات کی تعبیریں عاجز ہیں جس قدر ان لوگوں کے دل اپنے امام علیہ السلام کے لیے جو اخلاص و محبت سے سرشار و لبریز تھے ان کو ہماری عقلیں نہ تصور کر سکتی ہیں اور نہ ہماری زبانیں بیان اور اذھان عاجز ہیں مگر ہاں ان نفس عبارات و تعبیروں کو تکرار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان عظیم نفوس والے ان بالغ نظر عقلوں والے، اور ایسے دلوں والے جن کے دل ولاء عشق امامت سے سرشار اور اخلاص کے پیکر اس موقف اور رائے کی سرنوشت پر علم بالیقین رکھنے والے شجاعت و جرأت، دلیر و بہادر اور راستے پر ثابت قدم اور ان عظیم صفات کے متحامل اشخاص و اصحاب کے ہمراہ معرکہ کربلا میں حق و باطل کو واضح کر دیا۔

جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے خروج کیا اور اس کی خبر یزید لعین کو پہنچی تو یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا اور ساتھ حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام جہاں پر بھی ملیں ان سے جنگ کریں پس عبید اللہ بن زیاد نے ایک فوجی دستہ عمر ابن سعد کی سربراہی میں تشکیل دیا اور امام حسین علیہ السلام کی جانب روانہ کیا اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے سفر کو کربلا کی جانب شروع کیا اور وہاں پر عمر بن سعد نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو آپ کے اصحاب و انصار کے ہمراہ کربلا مقدسہ میں شہید کر دیا اللہ تعالیٰ آپ کے قاتلین پر لعنت کرے اور آپ علیہ السلام کی شہادت دس محرم الحرام سنہ ٦١ ہجری عاشورا کے دن واقع ہوئی۔

پس یہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم واقعہ تھااور آل رسول کیئے بہت دردناک غمگیں ترین دن تھا۔

عاشوراء کی عظمت

عاشوراء کی عظمت وفضیلت حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جڑی ہوئی ہے وہ عظیم امام جن کی شخصیت ہی رسول کی مانند بے مثال تھی کیونکہ اس دن رسول خدا ﷺ کے واحد نواسے کی شہادت واقع ہوئی اور آپ علیہ السلام اہل بیت رسول کے گھرانے کے سب سے بڑے اور سرپرست تھے اور آپ علیہ السلام کی عزت میں آپ خامس آل عباء تھے۔

پس معرکہ عاشوراء ایمان کا معرکہ تھااور امام حسین علیہ السلام کل ایمان تھے جو کفر سے لڑرہے تھے اور معرکہ عاشورا حق کا معرکہ تھااور امام حسین علیہ السلام پیکر حق تھے جو باطل سے مقابلہ کررہے تھے یعنی طول تاریخ میں انبیاء کرام اور گزشتہ صالحین کی جنگوں کا مشاہدہ تھااور خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کے غزوات جیسے بدر، احد، احزاب اور دیگر جنگیں اور امام علی علیہ السلام کی جنگیں جیسے حنین، جمل، نہروان وغیرہ کی اس کو دن دھرایا گیا تھا۔

پس تمام انبیاء، ائمہ، اولیاء، صالحین، شہداء اور تمام مجاہدین کے اہداف و مقاصد خواہشات اور خون دینے کا مقصد ایک جیسا تھااور ان تمام کی آنکھیں معرکہ کربلا کے نتائج پر ٹکی ہوئی تھیں یعنی وہ تمام کربلا کی جانب دیکھ رہے تھے۔

دوسری جانب تمام کفر ونفاق، فسق وفجور، ذلالت و گمراہی، خیانت کاری اور الحاد کی تمام تر کوشش بنی امیہ کی فوج میں موجود تھیں اور ان کی یہ سعی و کوشش تھی اور فوج امام

حسین علیہ السلام کے ارد گرد چکر کاٹ رہی تھی اور بنی امیہ اپنی تلواروں سے نور خدا کو بجھانا چاہتے تھے اور ان کی سیرت و نقش کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

عاشوراء کے اس دردناک دن میں اہل بیت علیہم السلام کے آنکھوں کے تاروں کو قتل کردیے گئے ان کی آنکھوں سے آنسو کی نہریں بہادی گئی مصیبت کے پہاڑ گرادیا گیا حزن والم انہیں ورثے میں ملا۔

پس حقیقت میں معرکہ کربلا کاملاً فضیلت و شرف کا معرکہ ہے۔ لیکن آل محمد ﷺ پر ظلم کی انتہاء عاشوراپر ختم نہ ہوئی بلکہ طول تاریخ میں یہ ظلم وزیادتی حکام کے ہاتھوں (کتاب) لکھنے والوں کے ہاتھوں اور اشرار کے ہاتھوں جاری وساری رہی جو کہ آل محمد سے بعض وعناد اور دشمنی رکھتے تھے اور ناصبیوں کو یہ صفات ان کے اسلاف سے ورثہ میں ملی تھیں جنہوں نے عاشوراء کی دردناک داستان رقم کی تھی۔

کیا یہ واضح ظلم اور کھلی خیانت نہیں کہ تاریخی واقعات وحوادث کو یوم عاشوراء پر فضیلت وبرتری دے دینا پس یہی چیز فعلاً کتاب "تاریخ دمشق" ابن عساکر میں واقع ہوا ہے۔

پس ہم ابن عساکر کو ان جیسے کاموں سے بلند دیکھتے ہیں وہ ایک شہیر و مشہور مورخ ہے چونکہ ابن عساکر پر پوشید نہیں کہ تاریخ امام حسین علیہ السلام واقعہ عاشوراپر مرتکز و محور ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس طرح عمل کو بغیر کسی شک وریب کے مؤرخین، فضلاء عنقریب واضح کریں گے۔

لیکن اس کے باوجود اس جرم میں شریک ہاتھ اس عظیم کتاب کو بھی شامل ہے جہاں حوادث عاشوراء سے فارغ ہے پس اس حوادث کے ذکر میں جو کچھ اہلبیت پر ظلم و زیادتی، قہر و غضب ڈھایا گیا اس سے پردہ نہیں اٹھایا گیا ہے اور ان ظلم و زیادتیوں کا انکار ممکن نہیں اور نہ ہی توجیہہ و تفسیر ممکن ہے سوائے ان مبانی اور بنیادوں پر جن کا پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔

پس یہ خائن اور گناہ گار ہاتھوں علم و ثرات تاریخ میں بنی امیہ کے اسلام اور ان کے سیاہ کارناموں سے بری قرار دینا چاہیے جنہوں نے وہ جرائم اس دن (یوم عاشورا) کو انجام دیئے تھے اور ان سیاہ کاریوں کو مرور زمان نہیں دھو سکتا ہے اور نہ ہی ان احادیث کو اس نتیجہ سے حذف کر کے اور سنہ ہی دوسری کتابوں سے حذف کر کے دھویا جاسکتا ہے نہ ہی اس ننگ و عار کو مٹایا جاسکتا ہے۔

پس وہ خائن ہاتھ تاریخ ابن عساکر تک پھیل گئے اور اس سے حوادث و واقعات روز عاشوراء حذف کر دیئے پس بتحقیق اسلام کے مؤرخین نے اور مسلمان مؤلفین نے تاریخی کتب ان حوادث کے ذکر سے بھر دیئے اور ان حوادث و واقعات کا بہت ساری تاریخی کتابوں میں ذکر آیا اور خاص طور سے کتابوں کو تالیف کیا جسے کتاب ''مقاتل'' کہا جاسکتا ہے۔

شاید ابن عساکر کے تاریخ کے اصلی نسخہ میں یہ واقعات موجود ہوں یا اس سے آگاہ وہ شخص اس سے مطلع ہوگا یا ایک منصف مزاج شخص پر واضح ہوگا پس وہ اس کو وادی نور میں ظلمات سے نکال کر لائے گا۔ ان خائنوں پر سب و شتم کرے گا جنہوں نے اسلام پر ظلم کیا اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قہر و غضب ڈھایا، تاریخ کو اندھیرے میں رکھا اور ثرات اسلامی پر ظلم کیا اور مسلمانوں پر ظلم کیا ان واقعات و حوادث کے ذکر میں کوتاہی و تاخیر کر کے اور اس وادی مقدس

میں جو کچھ ہوا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے جیسا کہ اس طرح کا حذف و تحریف بہت ساری تاریخی کتب اور احادیث و دین کی کتابوں میں انجام دیا ہے پس انہوں نے ان آثار کو دفنا کر ختم کر دیا اور پانی سے مٹا یا دیا اور بعض کو جلا دیا۔

وہ حقائق اگرچہ لوگوں سے مخفی و پوشیدہ رہے لیکن وہ وقت کے گزرنے کے ساتھ لوگوں کو معلوم ہوا اور یہ ضروری تھا کہ معلوم ہو جاتا۔

پس ہم نے اپنی کتاب میں اپنے اوپر لازمی قرار دیا ہے جو کچھ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی حالات زندگی کو ذکر کیا ہے اس پر امراء اشکال کریں۔اور ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم اپنی اس التزام سے خارج نہ ہوں پس ہم یہاں پر سیرت کے حوالے سے معترض نہ ہوں اور ہم نے اکتفا کیا ہے ان مطالب اور واقعات پر جن کو مقاتل قدیمہ اور حدیثہ میں ذکر کیا ہے اور انشااللہ اللہ کی مدد اور توفیق سے ایک مستقل کتاب کی شکل میں پیش کریں گے پس ذیل میں ابن عساکر نے یوم عاشورا کو امام حسین علیہ السلام کے خطبات کو ذکر کیا ہے ان کو دیکھیں گے اور وہاں پر عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے کافی عبرتیں ہیں ان کو ذکر کریں گے۔

جب تاریخی تجزیہ کار گمان رکھتے تھے کہ ''شعب کوفہ یعنی کوفی لوگ جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ لڑی وہ آپ سے آشنا نہ تھے اور نہ ہی آپ علیہ السلام کے اہداف میں سے کسی چیز کو جانتے تھے حقیقت میں اس طرح سے تجزیہ و تحلیل کرنا ان حقائق کو دوسرے انداز میں اپنی تحریف کرنا ہے پس کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ رسول خدا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے وسبط رسول خدا کو نہیں جانتے تھے ؟ کیا اس طرح

سے امت بری الذمہ اور پاک دامن قرار پاسکتی ہے ؟اور خاص طور سے اہل کوفہ جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اتنے طویل عرصہ زندگی گزاری ہو جہاں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کوفہ میں ایک عرصہ تک رہ چکے ہوں پس کون سی چیز تھی جس نے امت پر پردہ ڈالا اگر وہ اپنے امام کے بیٹے کو بھلا دیئے تھے تو فقط۔ بتحقیق یہ جرم سے عذر کئی گنا بدتر تھے۔

اس کے باوجود امام حسین علیہ السلام نے اس عذر کے جالوں کو توڑا اور ان کے سامنے کھڑے ہوئے جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی اقوام کے سامنے کھڑے ہوئے جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی اقوام کے سامنے موقف کے ساتھ کھڑے تھے۔اور آپ نے لوگوں کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے اللہ کی جانب دعوت دی اور نصیحت کی اور ان پر اتمام حجۃ قائم کر دی۔

پس رواۃ کہتے ہیں جب امام حسین علیہ السلام کو عمر ابن سعد نے کربلا میں اتارا اور امام حسین علیہ السلام کو یقین ہوا کہ وہ لوگ آپ علیہ السلام کو شہید کر دیں گے تو آپ اپنے اصحاب کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا:

پس جو حالات آپ لوگوں کے سامنے ہیں جنہوں نے ہمیں یہاں لا کھڑا کیا ہے پس بتحقیق دنیا تبدیل ہوگئی ہے اور انکاری ہے اور دنیا نے معروف و نیکی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک اس میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا سوائے تھوڑی سی چیز جیسے کہ برتن کی تری کے پھر فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے باطل سے نہیں روکا جارہا ہے اس بناء پر مؤمن کا لقاء اللہ کے لیے شہادت طلب کرنا سزاوار اور ضروری ہے میں اس حالت میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو ایک رنج تصور کرتا ہوں پس امام حسین علیہ السلام نے ان مختصر کلمات کے ذریعے سارے معانی کی طرف دلالت

کرتے ہیں اور امام نے ماضی کی طرف اشارہ کرکے حالات حاضرہ کو بھی واضح کر دیا یعنی امام علیہ السلام نے یہاں پر بیان کیا کہ حق کو چھوڑ دیا گیا ہے اور باطل پر عمل پیرا ہے اور لقاء اللہ کے ذریعے سے مومنین کی دلی تمنا اور ان کے شوق ورغبت کو ذکر کیا ہے اور سعادت کے ذکر کرنے سے ظالمین کے ساتھ زندگی گزارنا یہ سعادت وخوش بختی کی ضد ہے۔اور اہم ترین چیز جس کو امام نے اس خطبہ میں بیان فرمایا وہ یہ کہ دنیا سے حاصل شدہ چیزیں قابل تغیر ہے اور دنیا والے معروف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کیا سننے والے کے لیے کافی نہیں تھا کہ وہ فرق کی طرف متوجہ رہیں کہ یوم عاشورا کی دنیا اور اس دن سے پہلے کی دنیا میں کیا فرق ہے؟اور ان دونوں میں کیا تفریق و تبدیل ہوا ہے؟

پس میرے خیال میں تمام مفروضات جن کو امام علیہ السلام نے خطبہ کے درمیان بیان فرمایا سامعین کے فہم اور تبلیغ وہدایت کے لیے کافی تھے اگر ان کے دلوں میں تالے نہیں لگائے گئے تھے تو۔اور حضرت امام حسین نے روز عاشورا کی صبح کو اپنے اصحاب سے خطبہ ارشاد فرمایا پس امام حسین علیہ السلام نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا اے اللہ کے بندوں تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور دنیا سے خوف زدہ وہوشیار رہو اگر یہ دنیا کسی کے لیے باقی رہتی ہے یا کوئی اس دنیا میں باقی رہتا تو انبیاء الٰہی اس کے سب سے زیادہ حقدار تھے اور رضائت کے لیے سزاوار ولی تھے اور اس قضا پر سب سے زیادہ راضی ہوتے۔

کیا اللہ تعالی نے اس دنیا کو آزمائش وبلاء کے علاوہ خلق کیا ہے؟اور اس کے اہل کو فناء کے علاوہ پیدا کیا ہے؟پس اس دنیا کی جدید چیزیں باعث آزمائش ہیں اور اس کی نعمتیں ختم ہونے

والی ہیں اور اس کی خوشیاں چھوٹ جانے والی ہیں اور اس دنیا کی زندگی ختم ہونے کو ہے اور گھر اکھڑنے کو ہے۔

پس اس خطبے میں امام علیہ السلام نے دنیا کا ذکر فرمایا اور اس سے تجدید و ہوشیار رہنے پر ابھارا اور انبیاء کا ذکر فرمایا تا کہ ان کے ذکر سے آپ علیہ السلام کے اہداف ان کے ساتھ ایک ہونے پر دلالت کرے اور ساتھ امام عالی مقام نے اس خطبے میں دنیا کی آزمائش، فناء، بلا اور نعمتوں کے ختم ہونے اور خوشیوں کے بادل چھوٹ جانے کا بھی ذکر کیا ہے شاید ان کلمات سے اہل کوفہ کے کانوں کو کھولنے اور جس چیز کو وہ آگے آخرت کی طرف تقدیم کرتے ہیں ان کی جانب توجہ دلانا مقصود ہو۔

جب امام حسین علیہ السلام نے ان کے کانوں کو بہرہ پایا اور عاشورا کی صبح اس دعا سے لوگوں کو متوجہ کیا:

پس امام حسین نے صبح عاشورا اپنے ہاتھوں کو آسمان کی جانب اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ ہر مشکل وقت میں تو میرا بھروسہ ہے، اور ہر شدت میں تو میری امید ہے تو میرے لیے ان تمام معاملات میں جو مجھ پر نازل ہوئے ہیں بھروسہ طاقت ہے پس مشکلات و پریشانیاں ہیں جو دلوں کو کمزور کر دیتی ہیں جو حیلوں کو کم کر دیتی ہیں اور سچوں کو دھوکہ دیتی ہیں اور دشمنوں کو خوشی عطا کر دیتی ہیں۔

پس میں ان چیزوں کو تیری طرف پلٹاتا ہوں اور تجھ سے شکوہ و شکایت کرتا ہوں اس امید و رغبت کے ساتھ کہ ان کو حل کرنے والا تو تیری ذات کے سوا کون ہے پس اے اللہ میری مشکلات کو آسان کر دے اور ان مشکلات کو دور فرما اور تو ان کو دور کرنے کے لیے

میرے لیے کافی ہے۔ پس اے اللہ تو ہی ہر نعمت کا سرپرست ہے اور ہر نیکی کے عطا کرنے والا ہے ہر امید کی انتہا ہے۔

یہ دعا سننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ، امید رکھنے اور مشکلات کا واحد ذریعہ سمجھتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی یہ نصیحت کارگر ہوئی ہے۔

پس بتحقیق جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے آپ کو دشمنوں کے درمیان گھرا پایا اوران لوگوں کو آپ کے قتل کرنے پر مصمم دیکھا اوران لوگوں پر تمام ظاہری و باطنی حقائق روزروشن کی طرح واضح ہونے کے باوجود ان کو ان کے برے عزائم کو دیکھا تو حق کو مزید واضح کیا تاکہ کوئی عذر باقی نہ رہے۔

پس جب امام حسین علیہ السلام کو لوگوں نے گھیرے میں لے لیا تو آپ علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہوئے پھران لوگوں کو خاموش کروایا تو وہ لوگ خاموش ہو گئے پھر امام حسین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کی اور ثنا بجالائے اور رسول خدا پر درود و سلام بھیجا پھر فرمایا:

لعنت ہو تم پر اے جماعت تم پر ترس آتا ہے۔

پس جب تم لوگوں نے ہم سے سرگرداں حالت میں نصرت و مدد مانگی تو ہم جلدی سے آپ کی نصر و مدد کے لیے پہنچے اور تم نے جن تلواروں کو ہماری نصرت میں اٹھانے کا عہد کیا تھا ان کو ہمارے قتل کے لیے اٹھا رہے ہو آج تم سب اپنے دوستوں کو مارنے کے لیے اپنے دشمن کی مدد کر رہے ہو حالانکہ نہ انہوں نے تمہارے درمیان عدل وانصاف سے کام لیا اور نہ

تمہیں ان کی مدد میں خوشی کی امید ہونی چاہیے اور نہ ہی ہم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے پس تم لوگوں پر وائے ہو کس لیے تم نے ہماری نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے حالانکہ تلواریں نیاموں میں اور دل مطمئن، پر سکون اور ارادے محکم ہو چکے تھے لیکن باوجود اس کے تم نے فتنے کی آگ کو جلانے میں دنیاوی پرندے کی مانند جلدی کی اور اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ اے امت کے طاغوتو! اے بے اصولو! اے قرآن سے منہ موڑنے والو اور ان کلمات میں تحریف کرنے والو اے گناہگار الو گو اے شیطان کی پیروی کرنے والو پیغمبر اسلام کی سنت اور شریعت کو مٹانے والو! مومنین کے لیے باعث ندامت لوگو! بے قدر و قیمت لوگوں سے مزاج کرنے والو تم پر ذلت و رسوائی اور اللہ کی غضب تمہارے شامل حال ہو جنہیں قرآن کریم نے جھوٹوں اور کاذبوں میں سے قرار دیا ہے۔

پس تم ایسے لوگوں کی پشت پناہی کر رہے ہو جو ہماری مدد سے دستبردار ہو گئے ہیں ہاں خدا کی قسم مکر و فریب تم لوگوں کا مشہور مشغلہ ہے اور تمہارا ضمیر اس مکر و فریب کے پانی سے اٹھایا گیا ہے اور تمہاری فکر اسی پر پروان چڑھی ہے تم ایسے بد ترین پھل ہو کہ جو کچھ کھانے والے کے گلے کو زخمی کر دیتا ہے اور تم ان غاصب اور ظالم لوگوں پر خدا کی لعنت جو پیمان شکن ہیں۔

آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے یزید نے مجبور کر دیا کہ یا تو میں اس کے خلاف تلوار نکالوں یا ذلت کا لباس پہن کر یزید کی بیعت کر لوں لیکن ذلت ہم سے بہت دور ہے کیونکہ اللہ اس کے رسول اور مومنین اس کی ہمیں اجازت نہیں دیتے ہیں اور نہ ہی صاحب حمیت و غیرت، تربیت یافتگان، آغوش ہائے پاکیزہ ان سے راضی ہوئے۔

پھر فرمایا: جان لو باوجود اس کے کہ ہم تعداد کے لحاظ سے کم ہیں دشمن زیادہ اور یار و مددگار کے لحاظ سے کم لیکن پھر بھی ہم تم سے جنگ لڑیں گے۔

ا۔ اگر تمہیں ہم نے شکست دی تو کیا تعجب ہے اس لیے کہ ہم تمہیں شکست دیتے آئے ہیں۔ اور بظاہر ہم مغلوب ہوئے تو درحقیقت ہم مغلوب نہیں اس لیے کہ موت ہمارا مقدر رہی ہے اور دولت دنیا اشقیاء کے لیے ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم تم میرے قتل کے بعد زیادہ دیر زندہ نہیں رہو گے تمہاری زندگی ایک پیادے کے سوار ہونے سے زیادہ نہیں ہے زمانہ تیزی کے ساتھ تمہارے سروں پر چکی کی طرح گھوم رہا ہے اور تمہاری اضطرابی حالت چکی کی کیل کی مانند ہے یہ خبر میرے والد بزرگوار (حضرت علی علیہ السلام) نے میرے جدامجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی اور مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ فرماتے ہیں:

جب حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام (دشمنوں کے نرغے میں آئے) اور فرمایا کیا تم لوگ مجھ سے وہی چیز قبول نہیں کرتے ہو جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے قبول کیا تھا انہوں نے کہا: کونسی چیز رسول خدا نے مشرکین سے قبول کی تھی۔

امامؑ نے فرمایا اگر ان مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگتا تھا تو رسول خدا ان سے قبول کرتے تھے پھر اشقیاء نے کہا! نہیں ہم قبول نہیں کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا: نہیں چھوڑ سکتے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پس اگر تم باز نہیں آتے ہو تو میں تم لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ و قتال کروں گا حتی کہ مجھے موت آئے۔

پس وہ بد بخت لوگ امام عالی مقام علیہ السلام کی اس پیش کش کو قبول کرنے کی بجائے اپنی اس سرکشی پر قائم رہے۔

پس امام پر اسلحہ کو کسی شقی انسان نے اٹھایا اور اس نے کہا: میں جہنم کی آگ کی بشارت دیتا ہوں پس امام علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ ان شااللہ میں اپنے رب کی رحمت سے اور اپنے نبی کی شفاعت سے بہرہ مند ہونگا۔

پس یہ لشکر کوفہ کی وحشت و بربریت کی انتہا تھی لیکن امام عالی مقام کا مقصد ان لوگوں پر اتمام حجت قائم کرنا تھا۔ لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان امور کی پیش کش کر کے ان کی قساوت و شقاوت سے کو بڑھایا اور انہیں فاش کر دیا جیسے کہ امام علیہ السلام نے سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے جہل اور ان پر چلنے اور دفاع کرنے کے دعویٰ کو فاش اور اشکار کیا۔ پس جب انہوں نے امام عالی مقام کے تمام آپشنز کو کلمہ ''لا'' کے ذریعے انکار کیا اور کوئی تیسرا راستہ نہیں چھوڑا سوائے ان کے ساتھ جنگ و قتال کے اس طرح سے انکار اگر کسی شخص کے پاس تھوڑا سا بھی ضمیر وجدان اور انسانیت موجود ہو تو صادر نہیں ہو سکتا ایسے افراد جو اسلام کے دعویٰ دار ہوں اور اسلام دین رحمت و سلامتی اور حق و عدم کا درس دیتا ہے ان سے صادر ہونا بہت بعید تھا۔

پس حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس پیش کش نے ان لوگوں کا دور دور تک بھی اسلام سے کوئی تعلق نہ ہونے کو آشکار و کشف کیا اور ابھی رسول خدا کو اس دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے کوئی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ مسلمان اس دن (یعنی عاشورا) کو حکام جور کی سرپرستی میں معصیت خدا کے مرتکب ہوئے ہیں اور دنیا کی محبت کی خاطر صاحبان اقتدار و قوۃ نے ذلت ورسوائی کی انتہا کر دی تھی

پس امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبات، مواقف اور شہادت کے ذریعے سے ان پر یہ آشکار واضح کیا کہ بتحقیق امت مسلمہ جب فقط پچاس سال گزرنے کے باوجود ان واضح حقائق کو نہ سمجھ سکی اور نہ تدارک کر سکی جو ان کے سامنے تھے اور ان لوگوں کو اس قدر اکسایا اور بھڑکایا گیا کہ سبط رسول کے قتل کا اقدام کیا اور آپ علیہ السلام کے بیٹوں اور اہل وعیال کو اسیر بنالیا۔

پس جب امت مسلمہ کو پچاس سال بعد ہی خلفاء وقت کی جانب سے اسلام کے نام پر یہ فکر اور سوچ پہنچی حالانکہ یہ اپنی نادانی، جہل الخطاط وحشیت و بربریت سے حد کرنے پر اتر آتے ہیں کہ وہ عین نافہمی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ مفاہیم و معانی تکراراًواصراراًاسلام ناب محمدی میں قرآن وسنت اور سیرت اصحاب سے عوام کو بتایا گیا تھا اور امت نے خود اپنی آنکھوں اور کانوں سے سنا تھا اس کے باوجود بھول گئے پس یہ امت کیسے پچاس سال قبل رسول خدا کی وفات کے بعد اپنے لیے خلیفہ کے تعین میں اجماع کرتے ہیں اور جانشین رسول مقبول اس مقام مقدس کے لیے نامزد کرتے ہیں سمجھ سے بالاتر ہے۔

پس جب یہ امت حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور امامت میں بچاس سال بعد اس قدر فکری بلوغت کو نہیں پہنچی جو خلیفہ اور اس کے گورنروں کے احکام میں غور و فکر کر سکے یعنی یزید وابن زیاد کے احکامات سے انکار، ان کے منصوبوں سے دوری، اور ان کے سیاہ اعمال

سے علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے وہ اپنی جہل ونادانی سے ان دونوں کی اطاعت وفرمانبرداری میں اس قدر آگے بڑھے کہ اپنے نبی کے سبط اور سید شباب اہل جنۃ کے قتل کے درپے ہوئے۔ پس یہ امت کیسے بالغ نظر ہو گئی کہ رسول خدا کی وفات کے بعد اپنے لیے خلیفہ انتخاب کرتے تھے۔

یوم عاشورا کو امام حسین علیہ السلام کا لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے جو اقدام اٹھایا ان کے نتائج میں سے ایک نتیجہ اس حقیقت دافعہ کا اثبات تھا۔

امام حسین علیہ السلام کے خطبوں میں یہ واضح تھا کہ بتحقیق زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہے گی اور جو شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی آواز حق پر غور وفکر کرے گا اور اپنے وجدان وضمیر کو بیدار کرے گا تو وہ شخص ان انسان نما غلیظ معاشروں سے جدا اور ممتاز ہو گا۔

عمر بن سعد کوفہ کے تیس مردوں کے ہمراہ تھا پس اس نے کہا کہ نواسۂ رسول خدا نے تمہارے سامنے تین باتوں کی پیش کش کی ہے پس تم ان میں سے کسی ایک کو بھی قبول نہ کرنا پس تم حضرت امام حسین علیہ السلام کو پکڑنے کی کوشش کرنا اور ان سے جنگ وقتال کرنا۔

پس بتحقیق یہ تمام اقوام پر کامل ترین وبلیغ ترین حجت ہے جیسا کہ ان لوگوں کی گفتگو دلالت کرتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کلام ان تک پہنچ چکا تھا لیکن ان کے دلوں میں دنیا کی محبت کے زنگ، سابقہ جاہلیت، حق سے چشم پوشی نے انہیں راہ ہدایت سے دور رکھا تھا۔

کیاان تمام چیزوں کے باوجود انہیں (اس جماعت کو) یہ حق ہے کہ وہ امت محمدی ہونے کا دعویٰ کرے۔اور دین اسلام پر ایمان لانے کی دعویٰ دار بنے۔اور جنت میں داخل ہونے کی تمنا رکھے اور بعض حضرات نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کہنے والے نے کہا اگر میں امام حسین علیہ السلام کے قتل کرنے والوں میں سے ہوتا اور پھر مجھے جنت ہی میں داخل کر دیا جاتا تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نگاہ کرنے سے شرمندگی محسوس کرتا۔

اور یہ گمراہی کی وجوہ میں سے ایک وجہ ہے فکر و علمی کے لیے قہر و غضب،اور شعور سے تخلف اور اسلام سے دوری ہے پس کیسے قاتل امام حسین علیہ السلام کا جنت میں داخل ہونے کا احتمال دے سکتے ہیں درحالانکہ خواہ امام حسین علیہ السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں جبکہ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے وہاں ہمیشہ رہے گا ہمیشگی کے لیے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سر بریدہ لاشے

یوم عاشورا کو کربلا مقدسہ حزن والم کی حالت میں چھوڑنے اور الوداع کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ ایک نگاہ ان پاک وطاہر لاشوں پر ڈالیں جو رسالت کبریٰ اور راہ اسلام میں خون سے لت پت ہیں پس ہم نے اس جسم بابرکت جسم امام حسین علیہ السلام کا درد والم کے ساتھ مشاہدہ کیا؟

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو خود ان لعینوں اور بد بخت قوم سے اس بات کی توقع تھی کہ آپ علیہ السلام کے جسم مبارک سے لباس تک کو

اتار لیں گے چانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام بن علی فرماتے ہیں کہ جب مجھے اپنے قتل کا یقین ہوا تو میں نے اس لباس کو پہن لیا جسے چھننے میں کسی کو رغبت نہ ہو گی اور پرانے لباس کو میں نے پہن لیا تا کہ اس کو نہ اتاریں گے لیکن افسوس کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے تو آپ کے جسم اطہر سے اس لباس کو بھی اتارا گیا۔

واحسرتا علی هذه الامة ہائے افسوس اس امت پر

کس قدر افسوس ہوتا ہے اس امت پر کہ وہ کس حد تک شقاوت، پستی، ذلت، خباثت میں غرق ہو گئے حالانکہ وہ عالم بشریت میں بلند ترین انسانی اقدار کے حامل ہونے اور شرف ترین دین کے تعلیمات سے اپنے آپ کو آراستہ قرار دیتے تھے۔

ابتداء قتال میں ان کی تعداد چار ہزار اور بعض اقوال کی روشنی میں ان کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچی تھی اور متوسط ترین اقوال کے مطابق تیس ہزار کے قریب لشکر موجود تھا اور دیگر اقوال اس سے بھی زیادہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں یہ لشکر اسلام کہلاتے تھے کہ حق اسلام کی ابتدائی واجبات اور اخلاقیات سے بالکل ناآشنا اور نابلد تھے اور بتحقیق قابل مذمت یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام کے مدعی بھی تھے۔

ان کا یہ دعویٰ اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس کے سامنے یہ سوال کیا کہ کیا تم میں کوئی مسلمان ہے ؟اور اس کا کسی نے جواب نہیں دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے مواقف اور ارشادات سے ان لوگوں کی اس غلط فکر کو ختم اور باطل کر دیا جیسا کہ امام علیہ السلام نے اپنے خطبات میں ان کی انتقام جوئی کو بلند آواز سے بتا دیا جیسا کہ فرمایا:

تف اور وائے ہو تم پر اے ابی سفیان کے پیروکارو!

اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور نہ ہی تم معاد سے خوف زدہ ہو تو کم از کم اپنی دنیا میں آزاد رہو اگر تم واقعی عرب ہو تو جیسا کہ تم گمان کرتے ہو پس امام علیہ السلام نے ان کے اس دین پر ہونے کے نفی کی جس پر وہ ان کے احکامات پر اعتقاد رکھتے اور نہ ہی مسلمان ہیں کہ جو معاد سے خوف زدہ رہیں حالانکہ معاد پر اعتقاد رکھنے والے تمام اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں اور وہ چھوٹے جرائم کا بھی ارتکاب نہیں کرتے تو وہ کیسے اس عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے؟ اور یہاں پر امام علیہ السلام نے ان کے عرب ہونے کی بھی تردید کی کیونکہ عرب اپنے آداب و رسوم اور قوانین کے پابند ہوتے ہیں جو اپنی حمیت اور غیرت سے ایسے بدکردار اعمال سرزد اور انجام نہیں دیتے ہیں۔

پس وہ ''مسلمان'' اور ''عرب'' باطل لشکر کی سربراہی میں مسخ ہو چکے تھے جو حق سے دوری اور ذلت و پستی کی انتہائی گہرائی میں گر گئے تھے۔

پس کربلا باقی رہے گی۔ یوم عاشورا کا دل خراش واقعہ تاریخ اسلام کی پیشانی پر ایک دھبہ اور داغ رہے گا۔ اور قرن اول کی پیشانی پر یہ دھبہ رہے گا۔ جسے نہ زمانہ دھو سکتا ہے اور نہ زمانہ مٹا سکتا ہے۔

چوتھا باب

کربلاء کے بعد کے حوادث

☆متأخرین کی آراء

☆غمگیں خواب

☆عالم طبیعت وفطرت کے نوحہ

☆مرثیے اور نوحے

☆خون کا انتقام

متأخرین کی آراء و مواقف

تاریخی حوادث میں کچھ لوگ ان واقعات کے رونما ہونے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے خیال میں احتیاط کرتے ہیں اور ان حوادث و واقعات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں تاکہ اس سے مبادا کوئی نقصان یا شر ان تک نہ پہنچے۔

لیکن متأخرین کے اس عمل میں ہمیشہ سلامتی نہیں اگرچہ وہ لوگ ظاہراً ان حوادث سے دور رہتے ہیں لیکن وہ درحقیقت اپنے حسابات اور تاریخی اندازہ گیری اور ضمیر میں اور نفس واقع میں نجات یافتہ نہیں ہوتے۔

پس یہی صورت حال کچھ اصحاب و اشخاص کی بھی ہے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملحق ہونے سے تخلف کیا وہ کربلا کے راستے سے تخلف ہو یا آپ کے اہداف کربلا سے روگردانی ہو خاص طور پر وہ اشخاص جن کی عمریں لمبی تھیں اور جن کے پاس تمام تنازعات و مسائل کی احادیث موجود تھیں اور ان کے پاس رسول خدا کے وصیتیں موجود تھیں اور وہ اصحاب رسول اور صاحب الرائے تھے۔

لیکن وہ اشخاص امام حسین علیہ السلام سے ان کے تحریک کی کامیابی و فتح تخلف و روگردانی کر کے اس دنیا میں باقی رہے اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جن لوگوں نے کربلاء کے دل خراش واقعے کا ارتکاب کیا اپنے آپ کو ان سے بالاتر سمجھتے تھے۔

پس جب ہم فرض کریں کہ اگر یہ مختلفین بہت ہی سادہ تھے کہ دولت اسلامی سے مسلمانوں میں سے اچھے لوگوں کی ایک جماعت کے قتل کے اقدام کا تصور و گمان نہیں رکھتے تھے اور آل محمد کی ایک جماعت جن کی سربراہی حضرت امام حسین علیہ السلام کر رہے ہوں لیکن یہ متخلفین اپنی اس سوچ کی بنیاد پر پیچھے رہ گئے اور امام علیہ السلام کی نصرت نہ کی ان کے ہاتھ اس جرم سے بری الذمہ ہے۔ کیا ان کے ہاتھ اس جرم سے بری ہیں؟ (اور بری الذمہ قرار پائیں گے)

لیکن ان حوادث کے وقوع سے دوری نے ان لوگوں کو اس قدر سادہ اور نادان بنایا اور حوزہ اسلام کے دفاع سے تخلف کا سبب بنے، ذریت رسول اللہ کے اکلوتا وارث امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملکر ان کی نصرت و مدد کرنے کی بجائے ان کو مشکلات سے دوچار کیا۔

پس ایسے لوگوں کی ذلت و رسوائی کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ قاتل و جابر حکام کے دربار میں حاضر ہوں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کے ساتھ ناروا سلوک ہوتے ہوئے دیکھے ان آنکھوں سے جن سے آپ علیہ السلام کے سر مبارک کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سینہ سے لگاتے تھے اور اپنے کمرے میں کندھے پر سوار کرواتے دیکھا تھا۔

جیسا کہ انس بن مالک روایت کرتے ہیں:

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ علیہ السلام کے سر مبارک کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا پس ابن زیاد نے ایک چھڑی سے آپ علیہ السلام کے آگے کے دانتوں کو گرایا اور کہا اور اگر یہ دانتوں کے ساتھ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا پس

میں نے کہا خدا کی قسم تم نے بہت برا سلوک کیا پس میں نے رسول خدا ﷺ کو امام حسین علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں کو چومتے دیکھا تھا۔

کیا خادم رسول اللہ ﷺ انس بن مالک اس قدر جرأت و شجاعت رکھتا تھا کہ وہ ابن زیاد کا سامنا کر سکے ؟ تو کیوں ابن زیاد کے اس برے فعل کو انجام دینے سے پہلے روکنے کی کوشش نہیں کی؟ بلکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے سے پہلے روکنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ کیا عبید اللہ بن زیاد مجرم اور اس کا یہ فعل قابل مذمت نہیں تھا۔

پھر انس بن مالک کا ابن زیاد کے دربار میں کیا کام تھا؟ وہ کیا کرتا تھا؟

کیا فقط انس بن مالک نے رسول خدا ﷺ کے اس حسن سلوک و سیرت کو دیکھا تھا جو آپ نے اپنے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ انجام دیئے؟ کیا دوسروں نے نہیں دیکھا تھا جو افعال رسول خدا ﷺ نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ انجام دیئے جو اقوال امام حسین علیہ السلام کی شان میں صادر کیے جن میں سے چند ایک باب نمبر ۱۱،۱۰ میں آپ نے دیکھے اور مشاہدہ کیا ہے۔

کیا یہ وہ خادم رسول اللہ ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کے ملازم تھے۔

پھر آخر ابن انس بن مالک نے اس مجلس سے پہلے اس کا اظہار و اعلان کیوں نہیں کیا جبکہ انہوں نے حضرت رسول خداؐ کے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عمل کو انجام ہوئے دیکھا تھا تا کہ معاملہ اس حد تک نہ پہنچتا۔

دوسری روایت میں زید بن ارقم کہتے ہیں:

میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس تھا جب امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو لایا گیا اور ایک طشت میں امام علیہ السلام کے سر مبارک کو ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا پھر ابن زیاد نے ایک چھڑی، یا لاٹھی کو اٹھایا اور اس سے آپ کے ہونٹوں کو کھولا اور دانتوں پر مارا پس میں نے ان دانتوں سے خوب صورت دانت کبھی نہیں دیکھا تھا اور میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا کر سکا اور بے ساختہ بلند آواز سے رونے لگا پس ابن زیاد نے کہا کس چیز نے آپ کو رلایا اے شیخ؟

میں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ انجام دیتے دیکھا اس نے مجھے رلایا کہ رسول خدا کو ان دانتوں کو چومتے دیکھا تھا اور فرمایا: اے اللہ میں اس سے (امام حسینؑ) پیار کرتا ہوں اور آپ بھی اس سے پیار کریں۔

دوسری روایت کچھ اس طرح سے ہے کہ ابن زیاد نے اس شیخ (زید ابن ارقم) سے کہا کہ بتحقیق تو وہ شیخ ہے جو خرافات بکتا ہے اور عقل زائل ہو گئی ہے۔

پس یہ اس قدر بڑے صحابی عبید اللہ بن زیاد کے دربان میں کیا کرتے تھے؟ اس کے قصر میں کیا کام کرتے تھے اور خاص طور پر ان خاص ایام میں وہاں کیا کرتے تھے۔

پھر ان کی حمیت وحماس کہاں تھی، حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو لانے سے پہلے؟ پس کیوں اس سے پہلے اس روایت کو ذکر نہیں کیا؟

پس جب زید بن ارقم عبید اللہ ابن زیاد کے دربار سے نکلے تو اس وقت فرمایا: خدا کی قسم میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اے پروردگار اب میں اپنے

(بیٹے حسینؑ) کوآپ کی اور صالح مؤمنین کی امان میں دیتاہوں۔ پس تم لوگوں نے رسول خدا کی امانت کی کیسے حفاظت کی؟

لیکن اے صحابی رسول اللہ آپ نے رسول خداؐ کی امانت کی کس طرح کی حفاظت کی؟ حالانکہ تم لوگوں نے اسے کربلا میں یک وتنہا کردیا جوآپ علیہ السلام اورآپ علیہ السلام کے اہل وعیال اوراصحاب وانصار کورنج پہنچانے کے لیے اورآپ ابن زیاد کے دربار میں آرام فرمارہے ہو؟

کیا یہ بعد کے آراء و نظریات اسلام پرپڑے شگافوں کی روک تھام کرتے ہیں یاامت نے جن شخصیات کوکھویاہے اس کوواپس پلٹا سکتے ہیں؟

اگر یہ نظریات ومواقف حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے رکھتے اوراس پرڈٹ جاتے تو یہ ان کے لیے باعث شرف اور زیادہ نفع بخش ثابت ہوسکتا تھااوراس کے بعد بھی اگرامام حسین علیہ السلام کی سیرت پر چلتے توان کا ذکر ہمیشہ رہتا۔

غمگین خواب

حضرت امام حسین علیہ السلام اوریوم عاشورا کے دلخراش واقع پرنہ صرف انسان عالم واقع وبیدار میں غمگین وافسردہ ہوتے ہیں بلکہ عالم خواب میں بھی انسان افسردہ وغمگین ہوتے ہیں اورروایات میں عالم رویا کے افسردہ حالات کی جانب اشارہ کیاہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ السلام کو نصف نہار(دوپہر) میں گردوغبار سے آلود حالت میں دیکھااورآپ کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی جس میں خون تھاپھرمیں نے پوچھامیرے ماں باپ آپ پرقربان ہوں اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اس بوتل میں کیا ہے ؟جواب دیا: یہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا خون ہے پس اس دن میں نے اس کو جمع کیا اور یہ کبھی زائل نہیں ہو گا۔

ام سلمہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محبت اہلبیت رکھتیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے بہت مہربان اور پیار کرتی تھیں سیرت حضرت امام حسین علیہ السلام میں اس کا بارہا ذکر ہو چکا ہے۔وہ بھی سوتے ہوئے (خواب میں) بہت غمگیں رہتی تھی۔

ام سلمی سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں ام سلمہ کے گھر گئی اور وہ رو رہی تھیں پس میں نے پوچھا کس چیز نے آپ کو رلایا ہے ؟آپ نے فرمایا میں نے خواب میں رسول خدا کو دیکھا کہ آپؐ کے سر میں اور داڑھی خاک آلود تھی پس میں نے آپ سے پوچھا اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم آپ کو کیا ہوا ہے ؟آپ نے فرمایا: میں نے ابھی ابھی حسین کی شہادت کا مشاہدہ کیا ہے ؟

عالم فطرت وطبیعت کے مرثیے ونوحے

کربلاء کے حادثہ کے بعد عالم فطرت وطبیعت نے بھی غیر معمولی انداز میں عجیب اسالیب سے حزن کا اظہار کیا ان غیر معمولی اثرات میں سے ایک اثر آسمان سے خون کا ٹپکنا۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ آسمان یحیٰ ابن زکریا کی شہادت کے بعد کسی پر نہیں رویا سوائے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر۔

نصرت الازدیۃ کہتی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو آسمان نے خون کی بارش برسائی اور تمام چیزیں خون سے ڈوب گئیں۔

ایک عورت نے کہا: کہ ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد موجود تھیں و بتحقیق صبح و شام دیواروں اور پوری فضاء میں سرخ حالت نظر آتی تھی اور کوئی ایسا پتھر (حجر) نہیں تھا جس کو بھی اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون نہ نکلتا ہو۔

اور ان ہی غیر معمولی اثرات میں سے ایک اثر آسمان پر اندھیرا چھا جانا تھا۔

خلیفہ نے کہا: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو آسمان پوری طرح سیاہ و تاریک ہو گیا اور دن کے وقت آسمان میں تارے نظر آئے یہاں تک کہ (جوزا) ستارہ عصر کے وقت دکھائی دیا اور آسمان سے سرخ مٹی گرنے لگی۔

بعض حکام بنی امیہ نے ان حوادث کے رونما ہونے کا اعتراف کیا ہے جیسے کہ معمر نے کہا کہ الزھری پہلا شخص تھا جو ولید بن عبد الملک کے دربار میں ان حوادث کے رونماء ہونے کے بارے میں جانتا تھا اور گفتگو کی ولید نے پوچھا: تم میں کون جانتا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے روز حجاز اور بیت المقدس میں کیا حوادث رونما ہوئے ؟ الزھری نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ کوئی ایسا پتھر نہیں تھا جس کو اس کی جگہ سے سرکایا یا ہٹایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون نہ نکلتا ہو۔

جب اللہ کا اپنے صالح بندوں سے آزمائش لینا، انبیاء اور آئمہ اور اولیاء سے بھی بہت سخت مرحلہ ہے مگر یہ آزمائش یہ امتحان درحقیقت ان ہستیوں کے لیے رحمت کی فراوانی اور ایک وعدہ الٰہی ہے اور ان ذوات سے اس وعدہ الٰہی کو جو کہ اللہ کے ساتھ ان ذوات نے کیا ہے اسے سچ کر دکھایا اور ان مصیبتوں پر اللہ کی خاطر صبر کیا۔ اور حق بیانی کا سلسلہ جاری رکھا اور کبھی بھی حق سے پیچھے نہیں ہٹے اور دنیا کی آسائشوں کے ختم ہونے پر کبھی بھی حق سے پیچھے

نہیں ہٹے اور دنیا کی آسائشوں کے ختم ہونے پر کبھی رنجیدہ نہیں ہوئے اور نہ غمزدہ ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنی تمام تر قوت کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ رضائے الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور دنیا میں ہمیشہ یاد رہنے اور آخرت میں جنت کے مستحق ٹھہرے اور اللہ نے بھی ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا فرمایا اس طرح کے مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچایا تاکہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے اور اللہ نافذ کرتا ہے اپنے وعدے کو جو کہ اپنے رسل سے کیا ہے کہ اس زمین کا وارث اللہ ہے اور اسکے نیک بندے ہیں اور اہل زمین پر ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر کے اور یہ ایسا وعدہ ہے جو کہ تمام آسمانی کتابوں میں ثابت ہے جن میں تورات، انجیل اور زبور و قرآن ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ امر جس کا اللہ نے اعلان کیا ہے اس پر جو ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ در حقیقت غیب پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اگرچہ صالحین اور مصلحین کے قتل کا انتقام سب کی آنکھوں کے سامنے ہے پس آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے ایسا نہیں کہ مجتمع اسلامی کا صالحین سے خالی ہونا امت کے لیے ہے۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ جب مومنین کے ایک گروہ کا قتل کیا جاتا ہے تو جو صاحبان عزت و شرف ہوتے ہیں امت کے درمیان یہ ان ظالموں کو مزید جرائم کی طرف نہیں لے جاتے کیونکہ یہ ان مجرموں کے لیے دوسروں کے قتل کی راہ ہموار کرنا ہے اشراف اور عزت دار لوگوں کے قتل کے بعد؟

کیا ان جرائم پر امت کی خاموشی باعث نہیں ہے کہ ظالم مزید جری ہو جائے خصوصاً واقعہ کربلا جیسے عظیم واقعہ پر جس میں ظلم و جور کی انتہا نظر آتی ہے۔

یہ خاموشی اور یہ ظالموں کے آگے سر جھکانا ظالموں کو مزید جرائم کے ارتکاب تک پہنچاتی ہے جیسا کہ بنی امیہ کے ظالموں نے مدینہ منورہ پر حملہ کرکے دکھایا اور واقعہ حرہ تاریخ اسلام کے چہرے پر کلنک کا ٹھو ثابت ہو گیا اور خانہ کعبہ پر آگ سے گولے برسانے اور حرمت کعبۃ اللہ کو پائمال کرنا سب وہ نتائج ہیں جو اہل خرد اور اہل فکر کے لیے قابل ہدایت ہیں اور ادنی سا تفکر کرنے والا ان حقائق کو درک کر سکتا ہے۔

یقیناً امام حسین علیہ السلام نے ان میں سے بعض نتائج کی پیش گوئی بھی فرمائی تھی جب آپ ابھی کربلا کی طرف روانہ نہیں ہوئے تھے آپ نے کربلا میں وارد ہونے کے بعد بھیفرمایا: خدا کی قسم مجھے یہ لوگ بیعت کی طرف اس لیے دعوت دے رہے ہیں کہ اس کے بعد خدا ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو ان کو ذلت و پستی میں دھکیل دیں گے یہاں تک کہ امت کی بدترین اور ذلت آمیز فوج میں یہ فوج شمار ہو گی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

میں ان کو نہیں دیکھتا ہوں سوائے یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں پس اگر یہ لوگ ایسا کریں گے تو اللہ نے ایسی حرکت کی پائمالی کی طرف کبھی دعوت نہیں دی تھی اگر ایسا کریں تو اللہ نے ہلاکت کا وعدہ کیا ہے پس اللہ ان پر ایسے ظالموں کو مسلط کرے گا کہ جو ان کو ذلیل کریں گے اور امت کے پست ترین افراد میں شمار ہونگے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ انبیاء کرام اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے لیے راہ خدا میں قتل ہونا ان کے لیے کرامت الٰہی ہے اور شہادت جیسی عظیم منزلت کا حصول ہے اور بتحقیق

جن افراد کے قتل ہونے کو اللہ نے مقدر کیا ہے (یعنی کاتب تقدیر نے لکھا ہے) وہ خود اپنے مقتل کی طرف نکلیں گے یہ لوگ اللہ سے کیا گیا وعدہ وفا کرتے ہیں یہ ان کا دین اور ان کا ہدف ہے اسی طرح اس پاکیزہ خون کا انتقام بھی سنت الٰہی ہے اللہ تبارک و تعالٰی نے اپنے نبی کے لیے یاد دہانی فرمائی اس کی جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی نازل کی اور فرمایا:

> میں نے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے قتل کے بدلے ستر ہزار کو قتل کیا اور آپ کی بیٹی کے بیٹے کے قتل کے بدلے ستر ہزار کو قتل کرنے والا ہوں لیکن مکروہ جرائم جو میدان کربلا میں روز عاشورہ ان مجرموں کی جانب سے اہل البیت پر کیے گئے وہ حقیر اور پست ترین جرائم ہیں جن کا ذکر کرنا بھی ان جرائم سے بدتر ہے پس ان کے لیے ان جرائم کے بدلے ننگ و عار ذلت و رسوائی اور شر انگیزی ہی کافی ہے کیونکہ یہ سب ان کے لیے اللہ کی طرف سے فرزند و دختر رسول اللہ اور وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ جس کے گرد صالحین کا حصار لگا رہتا ہے اس کے قتل صلہ ہے۔

اس کے باوجود کہ تاریخ میں ہر مجرم کو کیسے اللہ نے سزا دی کیسے انتقام لیا وہ ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ افراد کے ہاتھوں کس طرح اس عظیم مہم کو اللہ نے انجام دیا اور قیامت تک آنے والوں کے لیے طول تاریخ میں عبرت کا نشانہ بنا دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کس طرح ظالموں کی تاگ میں ہوتا ہے اور ان کے لیے وہ وعدہ بھی اس دنیا کے بعد یقیناً پورا ہو جائے گا۔

مرثیے ونوحہ خوانی

اس عالم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے دل میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حزن والم داخل نہ ہو۔

اگرچہ لوگ اپنے فریضہ ادائیگی کو سمجھنے اور ادراک کرنے سے پرآشوب حالات میں دور رہے اور ایثار وقربانی دینے کے اقدام اٹھانے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔

پہلی شخصیت جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام پر نوحہ ومرثیہ پڑھا وہ زوجہ رسول حضرت ام سلمہ تھیں جس نے کثرت سے سیرت امام حسین علیہ السلام کی اخبار و روایت کو نشر کرنے میں مدد کی پس آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت کے بہت ساری اخباروں سے واقف تھیں پس آپ نے اپنی (جاریہ) کنیز سے کہا:

آپ باہر جائیں اور واپسی پر مجھے حالات کی خبر دیں پس وہ کنیز واپس آتی ہے اور کہتی ہے: حسین شہید کردیئے گئے پس آپ پر سخت بے ہوشی طاری ہوئی پھر ہوش میں آتی ہیں پھر کلمہ پرھتی ہیں پھر کہتی ہیں: انہوں نے آپ کو قتل کردیا: اللہ انہیں غارت کرے جنہوں نے آپ کو شہید کردیا۔

اللہ انہیں ذلیل ورسواء کرے جنہوں نے آپ کو شہید کردیا اللہ انہیں شرمندہ و رسواء کرے جنہوں نے آپ علیہ السلام کو شہید کردیا۔

پس اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبور کو آگ سے پر کرے اور یہ فرماتے ہوئے آپ پر بے ہوشی طاری ہوئی۔

ابن عباس کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں خبر کا خدشہ تھا اسی چیز کی خبر ملی یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام کیپس پھر کلمہ استرجع پڑھ لیا راوی کہتا ہے:

پس ہم نے پوچھا: اے ابن عباس کیا ہوا؟

اس نے فرمایا: آج ایک عظیم مصیبت رونما ہوئی ہے اور اللہ اس کا ہم سے حساب کرے گا۔آپ کے غم میں مؤمنین اور عام لوگوں کے علاوہ جنوں نے بھی حصہ ڈالا ہے۔

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر جن کو نوحہ پڑھتے سنا اور انہوں نے اشعار کہے۔

ترجمہ: حضرت امام حسین علیہ السلام کو ظلم وجور سے قتل کرنے والوں کو جہنم کے طرح طرح کے عذاب کی بشارت دے دو۔

اور حضرت داود، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے تم پر لعنت ہے۔

الکلبی نے کہا ایک دفعہ میں کربلا آیا پس میں نے وہاں پر اشراف عرب میں سے ایک سے پوچھا: مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ تم لوگوں نے جنوں کا نوحہ سنا ہے۔اس نے کہا: کوئی ایسا آزاد و غلام نہیں جو آپ کو اس نوحہ کی آواز سننے کی خبر نہ دے۔میں نے پوچھا مجھے بتائیں تم نے کیا سنا؟

پس میں نے جنوں کو پڑھتے ہوئے سنا کہ:

مسح الرسول جبینه فلهبریقفیالخدود
أبواهمنعلیاقرد شِجدهخیر الجدود

جب وقت سحر وہ باہر نکلتے تھے اس وقت وہ جنوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام پر نوحہ و گریہ کرتے ہوئے سنتے تھے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے تورات کو منادی کی ندا کو سنا گیا اور اس کی آواز سنائی دیتی تھی لیکن کسی بھی شخص کو دیکھا نہیں گیا وہ یہ اشعار تھے۔

عقرت ثمود ناقةفاستؤصلوا وجرتسوانحهمبغير الأسعد
فبنو رسول اللهأعظمحرمة وأجلمنأمالفصيلالمقصد
عجباً لهم ولماأتوالميمسخوا والله يمليللطغاة الجحد

دمشق کے رہنے والے خالد بن زعفران جو افاضل تابعین اور پہلے پہلے مرثیہ نگار تھے وہ کہتے ہیں بتحقیق جب شام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو صلیب پر اٹھایا گیا تو خالد بن زعفران نے اپنے آپ کو اصحاب سے چھپایا پھر انہیں شہر شہر ڈھونڈا گیا اور بالآخر پالیا گیا پھر اس سے چھپنے کی وجہ پوچھی گئی پھر انہوں نے کہا تم نہیں دیکھتے ہو کہ ہم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار کہے۔

جاؤوا برأسک یابن بنت محمد متزملاً بدما ئهتزميلا
وكانما بک یابن بنت محمد قتلوا جهاراً عامدينرسولا
قتلوک عطشانا ولم يترقبوا ف ي قتلک التنزيل
والتأويلا
ويكبرون بأن قتلت وإنما قتلوا بک التكبير والتهليلا

اور ان ہی مرثیہ کے اشعار میں سے چند ایک جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا مرثیہ کہنے والے شخص یمان بن قتہ تھے۔

فرمایا:

وإن قتيل الطف من آل هاشم أذل رقاباً من قريش فذلت
فإن تبتغوهعائذالبيتتفصحوا كعادٍتعمتعنهداها فضلت

مررت على أبيات آل محمد فلم أ ر هاأمثالهاحيثحلت
وكانوا لنا غنماً فعادوا رزية لقدعظمتتلكالرزاياوجلت
فلا يبعد اللهالديار وأهلها لقدعظمتمنهم برغميتخلت
إذا افتقرت قيس جبرنا فقرها وتقتلناقيسإذاالنعلزلت
وعند غنى قسطرةمندمائنا سنجزيهم يومابها حيثحلت
ألم تر أن الأرض أضحت مريضة لفقدحسينٍوالبلاد اقشعرت

بعض دیگر شعراء نے اس طرح سے اشعار کہے ہیں۔

لقد هدّ جسميرزءآلمحمد وتلك الرزايا والخطوب عظام
وأبكت جفونى بالفرات مصارع لآل النبي المصطفى و عظام
عظام بأكناف الفرات زكية لهن علىناحرمة وذمام
فكم حرةمسبية فاطمية وكممنكريمقدعلاهحسام
لال رسول اللهصلتعليهم ملائكةبيضالوجوهكرام
أفاطم أشجاني بنوكِ ذوُو العلاٰ وشبت وإن ي صادق لغلام
وأصبحت لا ألتذطيب معيشة كأنعليالطيباتحرام
ولا البارد العذب الفرات أسيغه ولاظليهنينى الغداةطعام
يقولون لى صبراً جميلاً وسلوة وماليإليالصبرالجميل مرام
فكيف اصطبارى بعد آل محمد وفي القلب منهم لوعة وسقام

اختتامیہ

پس یہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں جو اپنی صفات میں، اپنی سیرت میں کربلا سے پہلے، زمین پر عاشورا سے قبللیکن بعد کربلا (آپ کی سیرت وصفات ایک طویل عرصہ جو تقریباً ۱۴ قرنوں پر مشتمل ہے پس حضرت امام حسین علیہ السلام باقی رہے باقی رہیں گے جو اپنی بلند نداؤں اور نعروں میں جن کے نعرے اور اشعار کبھی منقطع نہیں ہونگے اور نہ آپ کا غم اور نہ ہی آپ کی نہضت و تحریک ختم ہو گی۔

پس تاریخ ہی آپ کے وجود کی تجدید اور آپ کی سیرت کو دھراتی ہے اور آاس کی سانسیں تکرار کرواتی ہیں اور اس مقولہ کی ''کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا'' یعنی ہر دن عاشورا کا دن ہے اور ہر زمین کربلا کی زمین ہے کی تصدیق کرتی ہیں۔

اگرچہ کئی زمانے حضرت امام حسین علیہ السلام کے عین وجود پر نور سے خالی رہے لیکن آپ علیہ السلام کی روح آپ کے اہداف کو واضح سے واضح تر ہوتی گئی آپ کے تمام پیروکاروں، شیعوں، محبان آل عباء پر آپ کی راہ پر چلنے والوں پر اور آپ کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے جنہوں نے زمین کو آپ کے نعروں پر کر دیا ہے اور حق کے علم کو اٹھایا ہوا ہے اور زمین کے طول و عرض میں ان کو نشر کرتے ہیں تاکہ حکم خدا کو روئے زمین پر نافذ کر سکیں اور بشر، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو سکے اور اللہ کا وعدہ متحقق ہو گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

وعد الله الذينأمنوا امنكمو عملوا الصالحاتليستخلفنهم
فيالارضكمااستخلفالذينمنقلبهمو ليمكننلهم
دينهمالذيارتضىٰلهمو ليبدلنهم
منبعدخوفهمأمنايعبدوننيلايشركونبيشيئاًومنكفر بعدذلكفأولٰئكهمالفا
سقون.

(وآخر دعواهمأنالحمدللهربالعالمين)